کہ انسان پورے طور پر حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرے۔

پانچواں ذریعہ انسان باوجود پوری کوشش کے صحیح راستہ پر چلنے کے لئے رہنما کا محتاج ہے جو کہ اس کی عملی رہبری کرے یعنی یہ اسکی زندگی کو اپنے لئے نمونہ بنائے۔ اور یہ اُس کی محبّت سے فائدہ اٹھائے ظاہر ہے۔ کہ دھات کی تار بجلی والی تار کے ساتھ Conection تعلّق پیدا کر کے اپنے اندر بجلی کو جذب کر لیتی ہے۔ اسی طرح سے انسان کامل برگزیدہ لوگوں سے تعلّق پیدا کر کے اپنے اندر عشق الٰہی کے جذبات کو موجزن پاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے:۔ کونوامع الصادقین کہ راستبازوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ انکی اتباع کر کے انکے راستہ پر چلکر میرے محبوب بنجاؤ۔

دنیا میں مختلف نبی ریفارمر مبعوث ہوئے۔ مگر اسلام کہتا ہے کہ آج اگر کوئی نبی زندہ ہے۔ اور اگر آج کسی نبی کا فیضان جاری وساری ہے۔ اگر کوئی نبی آج نجات دہندہ کہلا سکتا ہے تو وہ صرف اور صرف سیّدنا حضرت محمّد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپؐ کی قوّت قدسیہ تا ابد جاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُمّت مرحومہ پر کوئی زمانہ ایسا نہیں آسکتا جس میں یہ فیضان محمّدی سے محروم ہو۔ اس اُمّت میں ہر زمانہ میں نجات یافتہ پیدا ہوتے رہے۔ اور ہوتے رہینگے۔ خدا تعالیٰ کا محبوب بننے کے لئے اب محمّدی دروازہ ہی کھُلا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ اے لوگو اگر تم خدا تعالیٰ کا محبوب بننا چاہتے ہو۔ تو محمّد عربی صلعم کے نقش قدم پر چلو۔ اسی کی سی وارفتگی، عشق الٰہی پیدا کرو۔ تا خدا تعالیٰ کی محبّت جوش زن ہو۔ اور تم کو اپنا محبوب بنائے مبارک ہیں وے۔ جو اس دروازہ سے داخل ہوں۔ اور نجات سے فیضیاب ہوں۔ ؎

اگر خواہی نجات از مستئ نفس ... بیا در ذیل مستان محمّد

گویا پانچواں ذریعہ نجات یہ ہے کہ انسان کامل نبی زندہ نبی محمّد عربی صلعم کی پوری اتباع اور اقتدا کرے۔

ان پانچ طریق کے بیان کرنیکے بعد میں یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ نجات کا مقصد انتہائی اور غایت اصلی کیا ہے۔

نجات کا اصلی مقصد بھائیو! کیا یہ مسلّم حقیقت نہیں۔ کہ عاشق معشوق کے راستہ کی تکلیف کو لاشیٔ محض سمجھتا ہے؟ مصائب کے پہاڑ اسکے سامنے ایک ذرّہ سے بڑھکر نہیں ہوتے۔ مشکلات کی گھٹائیں اسکے عزم کو متزلزل نہیں کرسکتیں۔ غرض کوئی دُکھ اور کوئی امتحان اسکو شاق نہیں گذرتا۔ تو پھر نجات کس چیز سے؟ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ عشاق الٰہی تکالیف سے خلاصی کا نام نجات نہیں رکھا کرتے۔ کیونکہ وہ تو خود کہتے ہیں ؎

در کوئے تو اگر سر عشاق را زنند   اوّل کسیکہ لاف تعشق زند منم

ان کے نزدیک نجات خدا سے بعد اور دوری کی نفی کا نام ہے۔ وہ اس شیر خوار بچّہ کی طرح قلق و اضطراب میں ہوتے ہیں جو اپنی پیاری ماں کی گود سے جُدا کیا گیا۔ اور اب اس کو بجز اس محبّت بھری گود کے کوئی جگہ آرام کی نظر نہیں آتی۔ اسی لئے وہ تڑپتے۔ روتے اور چیختے ہیں۔ حتّٰی کہ اللہ تعالیٰ جو ماں سے ہزارہا درجہ بڑھ کر پیار کرنے والا ہے ہاتھ بڑھاتا اور ان کو پیار کرتا ہے۔ تب ان پر اطمینان اور تسلّی کا دور آتا ہے۔ اب دنیا کی کوئی بلا ان کو خائف اور کوئی مصیبت ان کو پریشان نہیں کر سکتی کیونکہ وہ مالک کُل خدا کی پناہ میں ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اکیلے ہو کر تمام دنیا کو مغلوب کر لیتے ہیں۔ اور بے سامان ہو کر فاتح بن جاتے ہیں۔

مَیں دُور نکل گیا۔ میرا مقصد اس جگہ صرف یہ ہے کہ اسلام کے نزدیک اصلی نجات اللہ تعالیٰ کے دیدار اور گفتار سے بہرہ اندوز ہونیکا نام ہے۔ اگر یہ نہیں تو سب ہیچ ہے۔ اگر یہ ہے تو سب کچھ ہے۔ یہی جنّت ہے یہی بہشت ہے۔ سہ

اس رُخ کو دیکھنا ہی تو ہے اصل مُدّعا ٭ جنّت بھی ہے یہی کہ ملے یار آشنا

پس عزیزو! اسلام جس جنّت یا نجات کی بشارت دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے وصال کا نام ہے اور وہ اسی جگہ حاصل ہوتا ہے۔ کیا ہی خوش قسمت وہ انسان ہے۔ جو ایسی جنّت کا طالب اور پھر اس کا پانیوالا ہو۔

نجات اخروی

موت کے بعد جو زندگی ہے۔ اُس میں انسان مادّی اور کثیف جسم سے آزاد ہو کر لطافت کو اختیار کریگا۔ اور اس کی روح ترقی کرتی جائیگی۔ اس زندگی میں نجات یافتہ لوگ اس جہان کی نسبت کامل نجات حاصل کرینگے۔ گو نجات اسی جگہ سے ملتی ہے۔ لیکن کثافت جسمانی کے ماتحت بعض انعامات کو انسان اس جگہ حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ ان کو بھی اُس جگہ حاصل کر لیگا۔ مثلاً دیدار الٰہی ہے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ کی رویت کے متعلق فرمایا۔ لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر۔ کہ آنکھیں اسکے ادراک سے قاصر ہیں۔ کیونکہ وہ بہت لطیف ہے۔ ہاں وہ ان کا ادراک رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ خبیر ہے۔

لیکن دوسری زندگی کے متعلق فرمایا:- وجوہٌ یومئذٍ ناضرۃ الیٰ ربہا ناظرۃ۔ کہ نجات یافتہ لوگ اس جگہ اپنے محبوب کے دیدار کرینگے۔ تو گویا جو انکی انتہائی خواہش تھی۔ وہ اگلی زندگی میں کماحقہ پوری کر دی جائیگی۔ لیکن چونکہ انسان غیر محدود ترقیات کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے اگلے جہان میں یا جنت میں جاکر بھی وہ لوگ نکمے اور بیکار نہ ہو جاوینگے۔ بلکہ فرمایا:- دعوٰھم فیھا سبحانک اللّٰھم وتحیتھم فیھا سلام وآخر دعوٰھم ان الحمد للہ رب العٰلمین۔ (یونس ع) کہ اہل جنت وہاں پر اللہ تعالیٰ کی صفات پر جو اس جگہ سے بدرجہا زیادہ اظہر ہونگی۔ غور کرکے اسکی تسبیح و تحمید کرتے رہینگے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یلھمون التسبیح والتکبیر۔ (کنز العمال) کہ اہل جنت کو اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تکبیر الہاماً سکھلائی جائیگی جو اس جہان سے بالا ہے۔ پس کام تو وہاں پر بھی ہوگا۔ مگر اس دنیا کی نسبت اخروی نجات میں یہ فرق ہے۔ کہ وہاں پر انسان تنزل کے خوف سے اور خدا کی دوری کے ڈر سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائیگا۔ جیسا کہ فرمایا:- یبشرھم ربھم برحمۃ منہ ورضوان وجنات لھم فیھا نعیم مقیم خالدین فیھا ابدا۔

(۲) ورضوان من اللہ اکبر ذٰلک ھو الفوز العظیم۔ کہ اس دن اللہ تعالیٰ انکو اپنی رحمت اور دائمی خوشنودی کی بشارت دیگا۔ وہ جنات میں ہونگے۔ اور خدا تعالیٰ کی رضا ان کو حاصل ہوگی اور یہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔

اور بخاری شریف میں آتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرمائیگا۔ احل علیکم رضوانی فلا اسخط علیکم بعدہٗ ابدا (جلد ا صٓ ۲) کہ میں تم پر راضی ہوں اور اب اسکے بعد کبھی ناراض نہ ہونگا۔ اسکی مثال ایسی ہی ہے کہ انسان ایم۔ اے پاس کرنیکے بعد پڑھنا بند تو نہیں کر دیا کرتا۔ مگر اب وہ فیل ہونے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نجات یافتہ انسان دائمی ترقی کرتا ہے۔ مگر اب وہ فیل ہونے سے مصئون ہو جاتا ہے۔ پس اسلامی نقطۂ نگاہ کی رو سے اخروی نجات یا جنت غیر محدود ترقیات کے گھر اور دیدار الٰہی کے مقام کا نام ہے۔ کون ہے جو ایسی جنت پر معترض ہو۔

جنت میں نعمتیں

یہ بات ہر مذہب میں تسلیم کی گئی ہے۔ کہ گو مرنے کے بعد یہ جسم روح کے ساتھ نہ ہو مگر تاہم کوئی نہ کوئی لطیف جسم اسکے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ رگوید آدی بھاشیہ بھومکا کے مترجم لکھتے ہیں:-

"شتپتھ براہمن کے چودھویں کانڈ میں لکھا ہے کہ اگرچہ موکش میں مادی جسم نہیں رہتا تاہم چوبیس قسم کی پاک قوتیں قائم رہتی ہیں اور اس حالت میں جیو جس قوت کو استعمال

کرنے کا ارادہ کرتا ہے وہی قوت ظاہر ہوتی ہے اور اپنے کام کو انجام دیتی ہے" (حاشیہ ۱۱۹)

اسی طرح خود سوامی دیانند جی لکھتے ہیں:-

"موکش میں پاک قوتیں قائم رہتی ہیں اور ناپاک قوتیں جاتی رہتی ہیں۔ صفحہ ۱۴۰"

اور اسلام کی بھی یہی تعلیم ہے۔ کہ جنت میں بھی روح کے ساتھ لطیف جسم احساس کی خاطر ہوگا ہاں دنیا کی نسبت لطافت بڑھ جائیگی اور مادی جسم کے مقابلہ میں اس کو وہی نسبت ہوگی جو روح کو ہے لیکن تاہم روحانیت اور جسمانیت کا مشترک انسان جنت میں جائیگا۔

مَیں اوپر بتا چکا ہوں۔ کہ جنت میں کیا ہوگا۔ اور اخروی نجات کا اعلیٰ مقصد قرآن پاک کی رو سے کیا ہے۔ مگر اتنی بات اوپر چھوڑ دی گئی تھی۔ کہ کیا جنت میں رضاء الٰہی کے علاوہ اور نعمتیں بھی ہونگی۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں ہونگی۔ وہاں پر خمر۔ اور دیگر مختلف پھل ہونگے عمدہ عمدہ غذائیں بھی ہونگی۔ مگر وہ اصل مقصود نہیں ہونگی۔ بلکہ جیسے ایک دوست کسی دوسرے دوست کو ملنے کے لئے جاتا ہے اور اس کی غرض صرف اس کی ملاقات ہوتی ہے۔ مگر دوسرا دوست اسکے لئے اعلیٰ اعلیٰ کھانے بھی طیار کرتا ہے۔ حالانکہ جانتا ہے۔ کہ میرے دوست کا مدعا تو صرف میری ملاقات تھی۔ اسی طرح اصل مقصود مومن کا اللہ تعالیٰ کی رضاء ہے لیکن اللہ تعالیٰ بطور دعوت کے اس کے لئے مختلف نعمتیں عطاء فرمائیگا چنانچہ ان تمام جنات اور ان کے میووں وغیرہ کو قرآن مجید نے مہمانی ہی قرار دیا ہے جیسا کہ فرمایا ہے:۔ لکن الذین اتقوا ربھم لھم جنات تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا نزلاً من عند اللہ وما عند اللہ خیر للابرار۔ (آل عمران ع ۲۰) کہ اہل تقویٰ کے لئے بے شک باغ وغیرہ ہیں۔ مگر یہ ان کا اصل مطلوب نہیں بلکہ یہ تو "نزلاً من عند اللہ" خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کی مہمانی ہے اور باقی جو نیکو کاروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا ہے۔ وہ تو بے انتہا اور اس سے کہیں بڑھ کر انعام ہے یعنی رضاء الٰہی

پس جنت میں بے شک بعض دوسری نعمتیں بھی ہونگی مگر وہ طالبوں کا اصل مطلوب نہیں۔

جنت کی نعمتوں کی حقیقت

اس بات کے بتا دینے کے بعد کہ جنت کی دوسری نعمتیں خمر و اعناب وغیرہ اصل مقصود نہیں۔ مَیں یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ ان کی کیا کیفیت ہے۔ کیونکہ غیر مسلم دوست اپنی ناواقفی کے باعث ان پر مضحکہ اڑایا کرتے ہیں۔

سو یاد رہے کہ نعمائے جنت کی حقیقت وہ نہیں ہے جو دنیاوی چیزوں کی ہے۔ صرف اشتراک اسمی ہے۔ مثلاً دیکھئے معترض کہتا ہے۔ کہ جنت میں شراب ہے۔ بے شک اس حد تک بات درست ہے

کہ جنت میں خمر ہے مگر آیا اسکی حقیقت، خاصیت اور اثر وہی ہے جو دنیادی شراب کا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس شراب طہور کی جنت میں خبر دی ہے اس کے متعلق فرمایا ہے:- لا فیھا غول ولا ھم عنھا ینزفون - کہ وہ نہ نشہ آور ہوگی اور نہ ان کے حواس کو زائل کریگی - حتیٰ کہ لا یسمعون فیھا لغواً ولا تاثیماً الا قیلاً سلاماً سلاماً - (واقعہ) وہ لوگ کسی قسم کی لغو اور گناہ آلود بات تک نہ سُنیں گے۔

تو اب آپ ہی سوچئے - کہ یہ اعتراض کہاں تک حق بجانب ہے۔ بھائیو! اگر لفظی اشتراک سے کسی چیز کا بُرا ہونا ماننا پڑیگا - تو پھر کوئی بڑے سے بڑا سوامی رشی پاک نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ اس کو ایک زانی، ڈاکو اور بدمعاش کے ساتھ اسمی اشتراک حاصل ہے یعنی اُس کو بھی انسان کہینگے اور اسکو بھی - کیا ایک انسان کے بُرا ہونے سے ہر وہ شخص جس پر لفظ انسان صادق آوے بُرا بنجائیگا - نہیں اور ہرگز نہیں - تو پھر کیا وجہ ہے - کہ دنیا کی گندہ شراب کی وجہ سے جنّت کی خمر پر زبان درازی کی جاتی ہے بے شک وہ خمر ہے مگر حقیقت اور ماہیت میں وہی نسبت ہے جو ایک سوامی کو زانی سے ہے۔

یہی حال باقی تمام اشیاء کا ہے - یعنی ان کی کیفیت ہم معلوم نہیں کر سکتے - جس طرح نابالغ بچہ نہیں سمجھ سکتا کہ مرد کو شادی کی کیا ضرورت ہوتی ہے اسی طرح ہم اگلے جہان کی زندگی کی کیفیت کی کنہ معلوم نہیں کر سکتے اس لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے:- فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاءً بما کانوا یعملون (السجدہ) کہ کوئی انسان بھی ان نعمتوں کی حقیقت کو نہیں جان سکتا جو کہ اہل جنت کے لئے مقرر ہیں۔

اور پھر آنحضرت صلعم فرماتے ہیں:- مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علےٰ قلب بشر (بخاری کتاب التفسیر) کہ جنّت کی نعمتیں ایسی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں ... ... اور نہ کسی کان نے سُنیں اور نہ کسی دل پر گزریں - بلکہ مجہول الکیفہ ہیں۔

پس نعمائے اخروی از روئے قرآن مجید پردۂ خفا میں ہیں - اور انکی ماہیت انسان سمجھ نہیں سکتا اسلئے ان پر اعتراض غلطی ہے۔

جنّت میں حوریں

اسلام کی حقیقت سے ناواقف لوگ اس مسئلہ پر بھی بہت اعتراض کیا کرتے ہیں کہ کیا صاحب جنّت میں خوبصورت عورتیں یا حوریں بھی ہونگی؟ اسکے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ ہاں ضرور ہونگی کیونکہ اسلام نے

مذہباً مرد و عورت میں مساوات قائم کی ہے۔ اسلام نے مرد و عورت کو پیدائشی طور پر پاک ٹھیرایا ہی فرمایا کل مولود یولد علیٰ فطرۃ الاسلام (بخاری) کہ ہر بچہ لڑکی ہو خواہ لڑکا پاک پیدا ہوتا ہے اور پھر نیک اعمال کے باعث جس طرح مرد کو اپنے فضل انعام اور جنّت کا وارث قرار دیا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح عورتوں کے لئے بھی فرمایا چنانچہ آیات ذیل اس کا کافی ثبوت ہیں:۔

(۱) ومن عمل صالحا من ذکر او انثیٰ وھو مؤمن فاولٰئك یدخلون الجنۃ یرزقون فیھا بغیر حساب (مؤمن ع۵) (۲) ومن یعمل من الصالحات من ذکر او انثیٰ وھو مؤمن فاولٰئك یدخلون الجنۃ ولا یظلمون نقیرا (النساء ع۱) (۳) انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثیٰ بعضکم من بعض (آل عمران ع۲۰) (۴) من عمل صالحا من ذکر او انثیٰ وھو مؤمن فلنحیینّہٗ حیاۃ طیبۃ ولنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون (النحل ع۱۳) جو نیک کام کریگا اور اللہ تعالیٰ اس کا مطلوب ہو گا خواہ مرد ہو یا عورت وہ سب جنّت میں داخل ہونگے اور ان کو بے شمار انعامات دیئے جاوینگے۔ مَیں تم میں سے کسی کے عمل بھی ضائع نہ ہونے دونگا خواہ وہ عمل کرنیوالا مرد ہو یا عورت۔ کیونکہ تم ایک دوسرے سے ہی ہو۔ جنہوں نے نیکوکاری کی اور اخلاص میں ترقی کی خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں۔ انکو پاکیزہ اور مطہر زندگی (نجات) دی جاویگی۔

ان آیات میں نہایت صراحت کے ساتھ بتایا گیا ہے۔ کہ مومن عورتیں بھی جنّتوں میں جائینگی کیونکہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے عورت کو نجات یافتہ قرار دیکر صنف نازک پر گراں بہا احسان کیا ہی۔ میں نہایت وثوق سے کہتا ہوں۔ کہ اگر دوسرے مذاہب میں بھی عورتوں کے لئے مکتی خانہ میں جانا جائز قرار دیا جاتا۔ تو وہ اسلام کی اس پاکیزہ تعلیم پر معترض نہ ہوتے۔

حوریں کیا ہیں؟ وہی مومن اور پاک عورتیں ہیں جنہوں نے اپنے خاوندوں کی تکلیفوں میں حصّہ لیا اور ہر عُسر و یُسر اور تنگی و ترشی میں ان کے ساتھ وفاداری دکھائی۔ جبکہ دنیا ان عشاقِ الٰہی کو دیوانہ اور مجنون قرار دیتی تھی۔ تو انھوں نے ان کا ساتھ دیا۔ بلکہ ہر غم میں شریک ہوئیں اور خود بھی محبت الٰہی میں سرشار ہو گئیں۔ کیا تاریخ عالم ایسی پاکدامن عورتوں کے کارناموں سے لبریز نہیں؟ کیا ان کی غمخواری، صبر اور وفاشعاری کا یہی اجر ہے کہ جب انعام لینے کا وقت آوے تو انکا نام بھی نہ لیا جاوے؟ اس سے بڑھکر اور کیا بیوفائی ہو گی۔ کہ انسان اپنے اس محبّ کو جو ہر مصیبت اور بوجھ کے اُٹھانے میں اس کا شریک تھا۔ آسائش اور راحت کے وقت بھول جائے۔ اسلام ایسے ظلم اور بے وفائی کو جائز

قرار نہیں دیتا۔ اسی لئے وہ فرماتا ہے:۔ ادخلوا الجنۃ انتم وازواجکم تحبرون۔ کہ تم اور تمھاری بیویاں جنّت میں داخل ہو جاؤ۔ تم کو مزین اور خوبصورت بنایا جاویگا۔ اور پھر فرماتا ہے:۔ للذین اتّقوا عند ربّھم جنات تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا وازواجٌ مّطھرۃٌ ورضوانٌ من اللہ واللہ بصیر بالعباد۔ کہ اہل تقویٰ کے لئے ان کے مولیٰ کے حضور دائمی باغات بھی ہیں اور ان کی نیک و پاک بیویاں بھی اور پھر اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا سارٹیفکیٹ بھی۔ اللہ تعالےٰ بندوں کے اعمال کو بخوبی جانیوالا ہے۔

قرآن پاک کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے۔ کہ جنّت کی حوریں یا عورتیں اسی دنیا کی پاک اعمال اور نیکوکردار بیویاں ہیں۔ جن کی محبّت الٰہی انکو جنّت کا وارث کردیگی۔ ہاں یہ سوال کہ پھر وہاں زن و شوئی کے تعلقات ہونگے۔ اگلی زندگی کی حقیقت نہ جاننے کے باعث پیدا ہوتا ہے۔ یاد رہے۔ کہ اسلام کے نزدیک انسانی اجتماع کی بنیاد پاک محبّت پر ہوتی ہے۔ ہاں چونکہ ہر فرد عالم فانی ہے اور سلسلہ دنیا کا ایک معین وقت تک چلانا ضروری ہے اس لئے انسان میں خاص قوّت رکھی گئی ہے تاکہ انکی اولاد ہو اور سلسلہ نسل جاری رہے مگر چونکہ اگلے جہان میں فنا نہیں اسلئے اولاد کی ضرورت نہیں اور جب اولاد کی ضرورت نہیں تو پھر ان تعلّقات کا تصوّر بھی غلط ہے جن سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ تو واضح بات ہی ہے۔ کہ انسانی جوڑے کی صرف یہی ضرورت نہیں ہوتی۔ ورنہ پھر حیوانات اور انسان میں مابہ الامتیاز کیا رہا۔

اس جگہ اس سوال کا حل کر دینا بھی ضروری ہے۔ کہ آیا صاحب جنّت میں خوبصورت لڑکے بھی ہونگے؟ سو یاد رہے۔ کہ ہاں ہونگے۔ مگر ان کی حقیقت کو بھی سمجھنا چاہیئے۔ قرآن مجید فرماتا ہے ویطوف علیھم غلمان لھم کانھم لؤلؤ مکنون۔ کہ اہل جنّت کے پاس انکے اپنے بچے جو موتیوں کی مانند خوبصورت ہونگے آئینگے۔ یہ وہ بچے ہیں۔ جو کہ مومنوں کے چھوٹی عمر میں فوت ہو جاتے ہیں۔ وہ خدا کے لئے صبر کرتے اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کہتے ہیں۔ جسکے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ مقرر فرمایا۔ کہ وہ بچے جنّت میں ان کی خوشی کو دوبالا کرنے کا باعث ہوں۔ تاکہ وہ جانیں کہ انکا صبر ضائع نہیں گیا کیونکہ وہ خدا کے لئے تھا۔ جو نہایت قدردان ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ بچوں کی نماز جنازہ میں یہ الفاظ رکھے ہیں اللّٰھمّ اجعلہ لنا فرطًا (ترمذی) کہ اے خدا تو اس کو ہمارے لئے آگے پہنچنے والا بنا۔ اور حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ صبر کرنیوالے والدین کے بچے ان کو چھڑا کر جنّت میں لیجائیں گے کہیئے؟ اب کیا اعتراض ہے۔

اسلامی نجات کی خصوصیات

اوپر کے بیان میں مَیں نے اسلامی نجات کا مختصر خاکہ پیش کر دیا ہے۔ لیکن چونکہ ہر مذہب کسی نہ کسی رنگ میں نجات کو پیش کرتا ہے۔ اس لئے مَیں چاہتا ہوں کہ آپکے سامنے اسلامی نجات کی چند خصوصیات بیان کر دوں۔ تا آپ کو موازنہ کرنے کا موقعہ ملجاوے۔

پہلی خصوصیت جیسا کہ اوپر بھی ذکر ہو چکا ہے۔ یہ ہے۔ کہ اسلام کی پیشکردہ نجات اسی دنیا میں حاصل ہوتی ہے۔ اور اسی زندگی میں انسان نجات کے شیریں اثمار سے لذّت اُٹھاتا ہے۔ اور اپنے مولیٰ سے واصل ہو سکتا ہے۔ اور وہ نجات محض وہم یا تخیّل نہیں جیسا کہ "نجات یافتہ کی علامات" میں آگے آتا ہے اسلام اپنی پیشکردہ نجات کے یقین اور وثوق دلانے کے لئے نہایت زبردست ہتھیار رکھتا ہے جن کو مَیں آگے ذکر کرونگا انشاء اللہ۔

دوسری خصوصیت نجات چونکہ انسان اور اسکے مولیٰ کے درمیانی رابطہ کا نام ہے۔ اور نجات اس قلبی تعلق کو کہتے ہیں۔ جو عبد کو اپنے معبود سے ہوتا ہے۔ اس لئے وہ تعلق اپنی صفائی قلب اور طہارت باطنی پر مبنی ہے۔ یہ قطعاً ناممکن ہے۔ کہ ایک انسان کا دل تو گندہ ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ کسی واسطہ کی مجبوری کے ماتحت اس سے تعلق پیدا کرنے پر مجبور ہو۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے (۱) قد افلح من زکّٰھا۔ (۲) لا تزرو ازرۃ وزر اخریٰ کہ فلاح وہی پاتا ہے جو تزکیہ نفس کرتا ہے کوئی جان کسی دوسری کا بوجھ اور گناہ اُٹھا کر اس کو بدون قلبی تبدیلی کے پاک نہیں ٹھیرا سکتی۔ اور بات بھی یہی سچ ہے کہ زید کے پیٹ کے درد کو زید کا دوائی کھانا ہی دُور کر سکیگا۔ اسی طرح زید کے قلبی زنگ کو زید کی پاکیزگی ہی دھو سکتی ہے پس اسلامی نجات کی دوسری خصوصیت یہ ہے۔ کہ وہ انسان کے اپنے اعمال نیک افعال سے اور قانون شریعت کی اتباع سے ملتی ہے۔

تیسری خصوصیت انسانی فطرت میں یہ بات داخل ہے۔ کہ وہ اس سُکھ کو سُکھ نہیں سمجھتی جس کے بعد اسکو دُکھ کا یقین ہو جس انسان کو یقین ہے کہ مَیں صبح کو پھانسی پر لٹکا یا جاؤنگا کیا وہ آرام کی نیند سو سکتا ہے؟ یا اور نعمتیں اسکو خوش کر سکتی ہیں؟ نہیں اور ہرگز نہیں! اسی طرح اگر انسان کو معلوم ہو کہ میری یہ نجات چند روزہ یا محدود ہے۔ اور بعد ازاں مَیں پھر انہی آلام و مصائب میں گرفتار کیا جاؤنگا۔ تو وہ نجات اس کے لئے راحت دِہ نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اسلام جس نجات کو پیش کرتا ہے وہ دائمی، غیر محدود، اور بے انتہاء زمانہ کے لئے ہے چنانچہ فرمایا عطاءً غیر مجذوذ۔ کہ وہ نجات ایسی عطاء ہے جو واپس نہ لیجائے گی۔ لا یمسھم فیھا نصب وما ھم منھا بمخرجین صہ ۳۱۶ کہ نجات یافتہ کبھی نجات سے دُور نہ کیئے جاوینگے۔ بلکہ وہ ابدی اور دائمی

نجات کے وارث ہونگے۔

اور اگر ذرا بھی غور کیا جائے اور نجات کی حقیقت کو سمجھ لیا جائے تو میں نہیں سمجھ سکتا۔ کہ کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ کہ نجات غیر محدود نہیں۔ نجات اللہ تعالیٰ کی رضاء اور خوشنودی کا نام ہے۔ کیا یہ منقطع ہونیوالی چیز ہے؟ کیا سچے عشاق کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی موت ہو سکتی ہے۔ کہ ان کو کہا جائے۔ کہ کچھ عرصہ کے بعد تمھارے ازلی معشوق کی محبت اور اس کا تعلق تم سے ٹوٹ جانیوالا ہے۔ میں یقین بھرے دل کے ساتھ کہتا ہوں۔ کہ عاشقانہ فطرت کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی مایوس کن پیغام نہیں ہو سکتا۔ وہ اس بات کے سننے سے پہلے موت کو اختیار کرنا زیادہ آسان سمجھے گی۔

پس اے خدا تعالیٰ کے سچے عاشقو! میں تم کو بشارت دیتا ہوں۔ کہ اسلام جس نجات کی خبر دیتا ہے وہ دائمی غیر منقطع اور ہمیشہ ہمیش کے لئے ہے۔ تم ایک دفعہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو حاصل کرلو۔ پھر وہ تم سے بے وفائی نہیں کریگا۔ اگر تم اس کی طرف چلکر آؤ گے تو وہ دوڑ کر آئیگا۔ اگر تم ایک بالشت بڑھوگے تو وہ ایک گز قریب ہوگا۔ وہ وفاداری میں کامل ہے۔ اور محض محبت سے ہے۔

اعمال محدود نجات غیر محدود

اس جگہ اگر یہ سوال ہو۔ کہ چونکہ ہمارے اعمال محدود ہیں۔ اس لئے غیر محدود نجات نہیں مل سکتی۔ تو اسکے کئی جواب ہیں۔ اوّل۔ اگر بدلہ اعمال کے عرصہ کے مطابق ملتا ہے تو پھر روح صرف چند سال زیادہ سے زیادہ بیس۲۰ سال نجات گھر میں ٹھیرنی چاہیئے۔ کیونکہ بچپن بڑھاپا نیند وغیرہ کے اوقات نکال کر ۱۰۰ سال میں سے بھی صرف چند سال عبادت کے لئے رہ جاتے ہیں۔ لیکن ایسا نہیں۔ تو محدود و غیر محدود کا کیا سوال؟۔ دوم۔ اعمال بھی غیر محدود ہیں۔ انسان تو ابدالآباد تک عمل کو جاری رکھنے کا عزم رکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر یعنی موت نے اس کے اعمال کو محدود کردیا۔ اس نے اپنی مرضی سے تو محدود نہیں کیا۔ اگر نیک نیتی بھی کوئی عمل ہے تو پھر اسکے اعمال غیر محدود ہیں۔ اس کو غیر محدود بدلہ ملنا چاہیئے۔ سوم۔ نجات گھر میں جاکر ارواح نکمے اور بیکار نہ ہو جاوینگے قرآن پاک تو فرماتا ہے کہ انکے اعمال وہاں پر بھی جاری رہینگے۔ پس اعمال بھی غیر محدود ہونگے۔ لہٰذا بدلہ بھی غیر محدود ہونا چاہیئے۔ چہارم۔ نجات اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے۔ مانا کہ اعمال محدود ہیں۔ مگر کیا اس کا فضل بھی محدود ہے؟ اور کیا وہ کسی پر غیر محدود فضل نہیں کرسکتا ہے؟ اگر کرسکتا ہے تو دائمی نجات کا کیوں انکار کیا جاتا ہے بالخصوص جبکہ معلوم ہو کہ نجات کی بنیاد محبت پر ہے

پس یہ سوال غلط ہے اور اسلامی نجات دائمی ہے۔

چوتھی خصوصیت اسلامی نجات کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں عورتوں کو بھی نجات یافتہ قرار دیا گیا ہے۔ اور ان کو بھی اللہ تعالیٰ کے فیضان سے بہرہ ور بتایا گیا ہے۔ اگر دوسرے مذاہب میں بھی عورت کو ناجی قرار دیا جاتا۔ تو وہ اس تعلیم پر فخر کرتے نہ کہ اسلامی جنّت میں عورتوں پر اعتراض!

پانچویں خصوصیت اسلامی نجات کی پانچویں خصوصیت یہ ہے۔ کہ آخر ہر فرد انسان کو نجات ہو جائیگی۔ اسلام کہتا ہے۔ کہ انسان کی زندگی کا مقصود عبودیت الٰہی میں کمال پیدا کرنا ہے اور اسی لئے انسان پیدا کیا گیا ہے۔ اب اگر بعض انسان اپنی غلطی اور غفلت کے ماتحت اپنے حقیقی محبوب کو شناخت نہ کرکے دوسری طرف نکل جاویں۔ اور صراط مستقیم کو گم کردیں۔ تو کیا وہ ارحم الراحمین ان کو چھوڑ دیگا؟ ہرگز نہیں! اس کا اندازہ کرنے کے لئے ماں کو دیکھو۔ بچہ اسکو تنگ کرتا ہے۔ گستاخی سے پیش آتا ہے۔ ماں بھی عارضی ناراضگی کا اظہار کرتی اور بدلے ہوئے تیور اسکو دکھاتی ہے۔ تھوڑی دیر میں بچّے کو پھر ماں یاد آتی ہے اور وہ بے ساختہ پکار اٹھتا ہے "اماں" "اماں" وہی ماں جو ابھی ابھی اسپر سخت ناراض دکھائی دیتی تھی۔ اس ایک لفظ کے سُننے سے اسکے سب بدن میں محبت کی ایک لہر موجزن ہوتی ہے۔ اور وہ اپنی ممتا سے مجبور ہو کر بچّے کو گود میں لیتی اور پیار کرتی ہے۔ اسی طرح بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر گنہگار انسان پر اللہ تعالیٰ شفقت کرنے والا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک کی رو سے اللہ تعالیٰ سچی توبہ پر ہر گناہ معاف کر دیتا ہے۔ افسوس کہ اس فلسفہ کو نہ سمجھنے کے باعث بعض لوگ گناہوں کی معافی پر اعتراض کیا کرتے ہیں ہاں اگر بندہ توبہ نہ کرے۔ اور سرکشی میں بڑھتا ہی جاوے۔ تو اسکی مرض کو دور کرنے کے لئے ایک ہسپتال یعنی دوزخ مقرر ہے۔ کہ جس میں داخل کرکے اس میں احساس عبودیت پیدا کیا جائیگا۔ اور بالآخر رحمت الٰہی اسکی دستگیر ہوگی کیونکہ وہ فرماتا ہے رحمتی وسعت کل شیءٍ۔ کہ ہر چیز اور ہر گنہگار بھی بالآخر اس کو پالیگا۔

چھٹی خصوصیت اسلامی نجات کے لئے چھٹی خصوصیت یہ ہے۔ کہ اس میں اکثریت کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ چونکہ انسان ضعیف البنیان ہے اس سے بعض غلطیاں اور قصور بھی ہو جاتے ہیں۔ مگر وہ اسکے راستہ میں حائل نہیں ہو سکتے اور اس کو ابدی شقاوت کا وارث نہیں بنا دیتے بلکہ جس طرح اس میں گناہ کی قوت ہے اسکے مٹانے کی قوت بھی ہے۔ اگر اسکے اندر زہر رکھا گیا ہے۔ تو تریاق کا ہونا بھی ضروری ہے۔ پس انسان کے گناہ کا تریاق اسکے اندر

ہے۔ پر استعمال شرط ہے۔

توجب انسان سے گناہ ہو جاویں۔ تو اسلام اسکو مایوس نہیں کرتا بلکہ فرمایا لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعًا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سب گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اِنَّ الحسنات یذھبن السیئات۔ اس معافی کا گر یہ ہے کہ بدکاری کے راستے کو چھوڑ کر رشد و ہدایت پر گامزن ہو جاؤ۔ اور اعمال صالحہ بجا لاؤ۔ باقی وہ تمھاری بدیاں نجات میں رخنہ انداز نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ اسلامی نجات کا یہ اصل ہے:۔ فمن ثقلت موازینہ فاولئک ھم المفلحون ۱۸ کہ جن کی نیکیاں زیادہ ہونگی وہ فلاح کو حاصل کرینگے۔ کیونکہ تمہارا خدا کینہ ور نہیں۔ کہ ایک گناہ کو بھی بغیر انتقام لئے معاف نہ کرے۔

پس چھٹی خصوصیت نجات کی یہ ہے۔ کہ اس میں اکثریت کو دیکھا جاتا ہے۔

نجات کی علامات

دعویٰ تو ہر ایک مذہب کے ماننے والے کرتے ہیں کہ ہم نجات یافتہ ہیں۔ مگر قرآن مجید نے نجات یافتہ لوگوں کی علامات بیان فرمائی ہیں۔ جن سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ نجات یافتہ کون ہے؟ ان علامات میں سے مختصر طور پر چند یہ ہیں:۔

علامت اوّل

مصائب اور مشکلات کو دیکھ کر وہ گھبراتے نہیں بلکہ وہ اطمینان اور تشفی سے رہتے ہیں۔ مخالفین کے حملے اور رکاوٹیں ان کو مایوس اور خائف نہیں کرتیں۔ کیونکہ وہ جملہ کائنات کے متصرف کی گود میں ہوتے ہیں ان کو یقین ہوتا ہے۔ کہ یہ مشکلات ان کو تباہ کرنے کے لئے نہیں بلکہ انکو بلند کرنے کے لئے آتی ہیں۔ وہ ایک سونا ہوتے ہیں جو کٹھالی میں پڑنے سے اپنی آب و تاب میں اور بڑھتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ الّذین اٰمنوا و تطمئن قلوبھم بذکر اللہ۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (رعد ع۴) کہ نجات یافتہ کو قلبی اطمینان اور انند حاصل ہوتا ہے۔

دوسری علامت

ان کے دلائل اور کاموں کی بنیاد یقین اور بصیرت پر ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ایسے چشمہ سے لیتے ہیں۔ جو یقین اور ایمان کا چشمہ ہے۔ وہ خدا کو محض قیاسات سے ماننے والے نہیں ہوتے بلکہ ان کے ایمان کی بنیاد مشاہدہ اور یقین پر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ کوئی چیز انکے عزم کو پست نہیں کر سکتی اور کوئی مصیبت انکے ارادہ میں جنبش نہیں دے سکتی۔ کیونکہ انکا یقین علم اور مشاہدہ کے ماتحت ہوتا ہے۔ اور باقی دنیا کا یقین محض قیاسی۔ اسکی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل ھٰذہٖ سبیلی ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا و من اتبعنی (یوسف ع۱۲) تو دنیا کو کہدے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں مگر میرے بلانے کی بنیاد یقین پر ہے اور میں

اور میرے متبعین بصیرت پر ہیں۔

تیسری علامت مقبولان بارگاہ الٰہی اور نجات یافتہ لوگوں کی تیسری علامت یہ ہوتی ہے کہ ان کی دعائیں بارگاہ ایزدی میں بکثرت سنی جاتی ہیں۔ اس لئے وہ نہایت تحدی سے اپنے دشمنوں کو دعاؤں کی قبولیت میں مقابلہ کا چیلنج دیتے ہیں۔ اور ان کے مقابلہ پر آنیوالے ذلیل وخوار اور مقاصد میں نامراد ہوتے ہیں۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا واذا سئلک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوة الداع اذا دعان فلیستجیبولی ولیؤمنوابی لعلّھم یرشدون۔ کہ جب وہ میرے آستانہ پر آتے ہیں تو میں ان کی سنتا اور قبول کرتا ہوں۔

چوتھی علامت چونکہ انپر مشکلات بکثرت آتی ہیں۔ اور دنیا ان کے نیست ونابود کرنیکے درپے ہوتی ہے۔ اس لئے ان پر اللہ تعالیٰ کا تازہ کلام اترتا ہے۔ جو ان کی روح کے لئے آبحیات کا کام دیتا ہے۔ جس میں ان کی ذاتی، علمی اور روحانی ترقیات کی بشارت دیجاتی ہے اور ان کے دکھ درد کو دور کرنے کی خبر سنائی جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ انّ الّذین قالوا ربنا اللّٰہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکة الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنة التی کنتم توعدون۔ کہ استقامت دکھلانے والوں پر فرشتے اترتے ہیں اور ان کو بشارت دیتے ہیں۔ پھر فرمایا:۔ لھم البشرٰی فی الحیاة الدنیا وفی الاٰخرة لا تبدیل لکلمات اللّٰہ ذٰلک ھو الفوز العظیم کہ ان کو دنیا میں بھی کلام الٰہی سے مشرف کیا جاتا ہے اور انپر پیشگوئیوں کا اظہار کیا جاتا ہے جن سے دنیا پر ان کی صداقت واضح ہوجاتی ہے۔ وہ زندہ خدا کے زندہ کلام کے زندہ گواہ ہوتے ہیں اور اس کا کلام ان کی غذا ہوتا ہے۔ اسی لئے اسلام میں سلسلہ الہام کو ہمیشہ کے لئے جاری بتایا گیا ہے کیونکہ ورنہ سچے عاشق تباہ ہوجائیں۔ اور دنیا سے نجات یافتہ کا امتیازی نشان مٹ جائے۔ کیونکہ بدون کلام الٰہی کے اس بات کے یقین کرنے کا کونسا ذریعہ ہے۔ کہ فی الواقع ان کو نجات حاصل ہوگئی ہے۔ اور وہ خدا کے صادق جانباز ہیں ؎

یہ سچ ہے کہ جو پاک ہوجاتے ہیں ⁂ خدا سے خدا کی خبر لاتے ہیں
اگر اس طرف سے نہ آوے خبر ⁂ تو ہوجائے یہ راہ زیر و زبر
طلبگار ہوجائیں اس کے تباہ ⁂ وہ مرجائیں دیکھیں اگر بند راہ
مگر کوئی معشوق ایسا نہیں ⁂ کہ عاشق سے رکھتا ہو یہ بغض و کیں

پس چوتھی علامت نجات یافتہ کی مکالمہ الٰہی ہے۔

پانچویں علامت | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:- انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیاۃ الدنیا ویوم یقوم الاشھاد (المؤمن) کہ ہم اپنے رسولوں اور مومنوں کی دنیا میں تائید و نصرت کرتے ہیں اور ان کو مظفر و منصور کرتے ہیں وہ اکیلے اُٹھتے ہیں اور لاکھوں بنجاتے ہیں وہ کمزور ہوکر طاقتوروں پر غالب ہوجاتے ہیں۔ یہ نصرت اور تائید ان کے نجات یافتہ اور محبوب الٰہی ہونیکی علامت ہوتی ہے کیونکہ ؎

کبھی نصرت نہیں ملتی در مولیٰ سے گندوں کو :: کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے پاک بندوں کو

چھٹی علامت | نجات یافتہ لوگوں میں سے کاملین ایک طیّب شجر ہوتے ہیں۔ جنکو پاکیزہ پھل لگتے ہیں۔ اور بقول حضرت مسیح علیہ السّلام کہ "درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے" وہ پھل ان کی قبولیّت کا ثبوت ہوتے ہیں۔ اسی شجرۂ طیبہ کے متعلق ارشاد باری ہے کہ تؤتی اکلھا کل حین باذن ربھا۔ کہ وہ ہر زمانے میں اپنا پھل دیتا ہے۔ ہمارا یقین ہے۔ کہ مختلف زمانوں اور مختلف قوموں میں ایک ایک وقت تک کے لئے مختلف درخت لگائے گئے۔ لیکن آج اگر کوئی عالمگیر، زندہ اور طیّب شجر ہے تو وہ سید الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم ہادی دوجہان ہیں۔ آپنے اپنی قوّت قدسیہ سے عرب جیسی وحشی قوم کو انسان باخدا انسان نہیں بلکہ خدا نما انسان بنادیا۔ کیا یہ کچھ کم کمال ہے؟ لیکن اس پر بس نہیں بلکہ وہ قوّت ہر زمانے میں کام کر رہی ہے۔ اور موجودہ زمانہ کے مصلح اعظم احمدؐ نبیٔ وقت سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بھی اسی چشمہ سے لینے والے ہیں اسی واسطے آپ فرماتے ہیں ؎

الا اے منکر از شانِ محمدؐ :: ہم از نورِ نمایانِ محمدؐ
کرامت گرچہ بے نام و نشان است :: بیا بنگر ز غلمانِ محمدؐ

مبارک ہیں وے جو اس بزرگ درخت کی شاخیں ہیں۔ اور پھر ثمرور

ٹریکٹوں کا مفید سلسلہ | برادر عزیز محمد ابراہیم صاحب انگلش ماسٹر و سیکرٹری سیّدوالہ ضلع شیخوپورہ اپنے خرچ پر تین ٹریکٹ چھاپ کر بیرون نجات میں بھیج چکے ہیں حکم ربّانی۔ ندائے آسمانی۔ فیصلہ رحمانی برادر موصوف کا یہ کام قابل تشکر ہے۔ اب وہ "حضرت مسیح قادیانی" چوتھا نمبر شائع کرنیوالے ہیں۔ ماسٹر صاحب پوچھتے ہیں کہ ٹریکٹوں کا سلسلہ پسندیدہ و مفید ہے یا نہیں۔ وہ ہر سہ ماہی پر عہ وصول کرکے ۵۰ عدد ٹریکٹ نمبر سے تیئے بھیجنے کو تیار ہیں +

قوتِ سامعہ کی اہمیت اور ضرورت پر فلسفیانہ نظر

{ڈاکٹر چوہدری شاہ نواز خاں صاحب کی پیہم نوازشات سامیہ و توجہات عالیہ نہ صرف میرے لئے بلکہ ناظرین رسالہ کے واسطے بھی موجب صد امتنان ہیں۔
آپنے قوتِ سامعہ کی اہمیت جو فلسفیانہ نقطۂ نگاہ سے دکھائی ہے اس سے قرآن کریم کی ہی بڑائی ہے۔ اور یہ ثبوت بیّن ہے اس بات کا۔ کہ یہ لاکلام خداوند علّام ہی کا کلام ہے۔ ایڈیٹر}

ہمارا یہ دعویٰ ہے۔ کہ قرآن کریم جو تمام دنیا کے لئے آخری اور مکمل ہدایت نامہ ہے اپنے اندر عجیب معرفت اور حکمت کی باتیں رکھتا ہے۔ چنانچہ اس دعویٰ کی صداقت کے ثبوت ہم کو مادی علوم کی ترقی سے آئے دن ملتے رہتے ہیں۔ اسکے علاوہ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن کریم کے نہ صرف احکام اور آیات اور الفاظ ہی پُر حکمت ہیں۔ بلکہ اُن آیات کی ترتیب بھی حکمت پر مبنی ہے۔ بلکہ میں تو یہاں تک سمجھتا ہوں کہ قرآن مجید کے مختلف الفاظ کی ترتیب بھی حکمت سے خالی نہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ اگر کسی جگہ فرماتا ہے کہ واللہ سمیعٌ علیمٌ تو سمیع کو پہلے اور بصیر کو بعد میں رکھنے میں بھی حکمت ہے۔

اس دعویٰ کے ثبوت میں یہ عاجز۔ اس مضمون میں قرآن کریم کے بعض الفاظ کی ترتیب کی حکمت بتانا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورہ دہر میں فرماتا ہے۔ انّا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج نبتلیہ فجعلناہ سمیعًا بصیرا۔ اس جگہ طبعًا یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ بعض ظاہر بینوں کو اعتراض سوجھتا ہے کہ سمع کا ذکر پہلے کیوں کیا۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں انسان کو آنکھ کی زیادہ ضرورت ہے۔ اور کان کی اس سے کم۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا مشاہدہ اور اس کی صنعتوں کا علم بھی آنکھ کے ذریعہ ہی ہوتا ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جس کسی سے پوچھیں کہ بھائی آنکھ زیادہ ضروری ہے یا کم۔ تو یہی کہتا ہے۔ کہ آنکھ زیادہ ضروری ہے۔ گلیوں میں جاؤ۔ تو یہی پکار سُنیگے۔ کہ "بابا آنکھیں بڑی نعمت ہیں" مگر کبھی کسی بہرے کو یہ کہتے نہ سُنا ہوگا کہ کان بڑی نعمت ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنکھ کا ذکر بدرجہ اولیٰ پہلے ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ یہ عضو انسان کے لئے زیادہ ضروری اور مفید ہے۔

یہ اعتراض قلّت تدبّر کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ اگر انسان کی پیدائش کی غرض کو سمجھا جائے اور اسپر غور کیا جائے۔ تو صاف پتہ لگ جاتا ہے۔ کہ انسان کو کان کی مقابلۃً زیادہ ضرورت ہے اس لئے کہ ایک اندھا اپنی پیدائش کی غرض کو پورا کر سکتا ہے۔ مگر اسکے برخلاف ایک ایسا شخص جو پیدائشی بہرہ ہو اس غرض کو پورا کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے۔ انسان کی پیدائش کی غرض اللہ تعالیٰ کے کلام کو پڑھنا یا سُننا اور سمجھنا اور اسپر عمل کرکے اسکی رضا کو حاصل کرنا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پیدائشی اندھا دنیاوی زندگی کے دلکش مناظر اور دل کو لُبھانے والے سین نہیں دیکھ سکتا۔ مگر اس سے اسکی پیدائش کی غرض فوت نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ شریعت کا علم حاصل کر سکتا اور اسپر عمل کر سکتا ہے۔ مگر اسکے برخلاف ایک پیدائشی بہرہ آدمی دنیا کی لذّات سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ مگر وہ روحانی علوم کے سیکھنے۔ کلام الٰہی کو پڑھنے اور اُسپر عمل کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے۔ جس سے اسکی پیدائش کی غرض پوری نہیں ہو سکتی۔ اس سے معلوم ہُوا۔ کہ انسان کو کان کی بہ نسبت آنکھ کے زیادہ ضرورت ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنے فضل اور احسان کا اظہار کرتے ہوئے کان کا ذکر پہلے کیا ہے۔

اب میں مندرجہ بالا امور کا ثبوت اور سمع کو پہلے رکھنے کی حکمت مغربی علوم کی روشنی میں احباب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:۔

---

(۱) واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے سمع کا ذکر اس لئے پہلے کیا ہے کہ رحم مادر میں کان کی تکمیل بمقابلہ آنکھ کے پہلے ہوتی ہے۔ اور یہ اس لئے ہے کہ جنین نے پیدا ہو کر پہلے اسی عضو سے کام لینا ہوتا ہے جنین کی آنکھ کی پُتلی کے آگے ایک پردہ ہوتا ہے۔ جو آٹھویں مہینہ جا کر تحلیل ہوتا ہے۔ (مگر کان کے آگے اس قسم کا کوئی پردہ نہیں ہوتا)۔ اس لئے آنکھ رحم مادر میں کام نہیں کر سکتی۔ مگر کان مکمّل ہوتے ہی کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ بلکہ میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ بچّے کی قوّت سامعہ سے رحم مادر میں بھی کام لیا جا سکتا ہے۔ اور اگر والدہ ایّام حمل میں اپنے بچّے کو جو اسکے بطن میں ہے۔ قرآن کریم بلند آواز سے سُناتی رہے۔ تو اس کا اثر جنین پر ہوتا ہے۔ شائد کوئی جلد باز یہ سوال کرے کہ بچہ رحم مادر میں کیسے سُن سکتا ہے۔ اور وہ قرآن کریم کے الفاظ سے کیسے فائدہ اُٹھا سکتا ہے جب وہ انکو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ گو دماغ کا بالائی حصّہ (کانشس مائنڈ) کام نہیں کرتا اور قوّت متخیلہ اور شعور وغیرہ اس میں نہیں ہوتا۔ مگر نچلا (سب کانشس حصّہ) تو کام کرتا ہے۔ اور ان الفاظ کا

نقش اس پر محفوظ رہتا ہے۔ جو بطور بیج کے کام کرتا ہے۔ اور ایّام طفولیّت میں اعلیٰ تعلیم اور اچھی تربیت سے وہ بیج ایک خوشنما درخت بن سکتا ہے۔ چنانچہ علم النفس کی حال کی تحقیقاتوں نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ دنیا میں کوئی حرکت ضائع نہیں جاتی۔ اور دماغ پر سے کوئی نقش مٹ نہیں سکتا۔ گو وہ حِس پیدا نہیں کرتا۔ مگر قلبِ غیر عامل میں محفوظ رہتا ہے۔

(۲) پیدا ہونے کے بعد بھی پہلا عضو جو انسان کے کام آتا ہے۔ وہ کان ہی ہے۔ چنانچہ بچّہ پیدا ہوتے ہی بلند آواز کو سُن سکتا ہے۔ اور چونکتا ہے۔ مگر اس کے برخلاف بچّہ پیدائش کے وقت اندھا ہوتا ہے۔ اور صرف روشنی کو اندھیرے سے تمیز کر سکتا ہے مگر چیزوں کی شکلوں ان کے فاصلہ یا رنگوں کا احساس اس میں نہیں ہوتا۔ چند ہفتوں کے بعد بچہ آہستہ آواز بھی سُن سکتا ہے اور اس میں راگ سے حظ اُٹھانے اور آواز کی سمت معلوم کرنے کی قابلیّت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ (جو قُوّت سامعہ کا کمال ہے) مگر بچّہ میں چیزوں کو دیکھنے کی قابلیّت ایک ماہ کے بعد جا کر پیدا ہوتی ہے۔ اور تیسرے مہینے بچّہ ماں کا چہرہ پہچان سکتا ہے۔ اور آنکھ اسکی متحرک اُنگلی کی پیروی کر سکتی ہے۔ مگر اسکو چیزوں کے دُور یا نزدیک ہونے کا ابھی علم نہیں ہوتا۔ اسی واسطے بچّہ دُور پڑے ہوئے لیمپ یا چاند کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ رنگوں کی تمیز بچہ میں ایک سال کے بعد جا کر ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کان مقابلۃً جلدی اپنا کام شروع کر سکتے ہیں۔

(۳) ایک اور وجہ کان کا ذکر پہلے کرنے کی یہ ہے کہ انسان کے لئے علوم کے حصول کی (پیدائش کے بعد بلکہ اس سے قبل رحم میں بھی) سب سے پہلی۔ اور زیادہ وسیع کھڑکی کان ہی ہے۔ انسان کو بیرونی دنیا کا جس قدر علم (کیا بلحاظ سباق اور کیا بلحاظ مقدار کے) کان سے ہوتا ہے اتنا آنکھ سے نہیں ہوتا۔ مَیں یہ بتا چکا ہوں کہ کان کی تکمیل رحم مادر میں آنکھ سے پہلے ہوتی ہے اور پیدائش کے بعد بھی کان اپنی تکمیل کے ابتدائی مراحل جلدی طے کر لیتا ہے۔ اسکے علاوہ کان کو اس لئے بھی فضیلت ہے کہ اس کے آگے کوئی پردہ نہیں۔ اس لئے کان ہر وقت کام کرتا رہتا ہے۔ اور نقوش دماغ پر جمع کرتا رہتا ہے۔ مگر اسکے برخلاف آنکھ کے آگے پردہ ہے۔ جو قُوّت ارادی سے کُھلتا ہے۔ اس لئے آنکھ اتنا وقت کام نہیں کر سکتی۔ اور اتنے نقوش دماغ پر جمع نہیں کر سکتی جتنے کان کر سکتا ہے۔ یعنی آنکھ کے ذریعہ کسی چیز کا علم اسی وقت ہوگا۔

جب اس کی طرف توجہ کی جائیگی۔ اور یہ آنکھ کھولی جائیگی۔ مگر کان بغیر توجہ اور بغیر ارادہ کے کام میں لگا رہتا ہے۔ یعنی انسان خواہ کسی اور کام میں مشغول ہو۔ تو بھی اسکے کان کام کرتے رہتے ہیں۔ کان میں ایک اور خوبی یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے انسان ہر وقت علوم حاصل کر سکتا ہے۔ حتیٰ کہ سوتے وقت بھی۔ مگر سوتے وقت آنکھ سے علوم حاصل کرنے کی کھڑکی بند ہو جاتی ہے۔ اور پھر لطف یہ کہ نوزائیدہ بچہ اپنا اکثر وقت نیند میں گذارتا ہے۔ (چنانچہ بچہ سوائے دودھ پینے اور رفع حاجت وغیرہ کے ہر وقت سویا رہتا ہے گویا ۲۴ گھنٹوں میں ۲۰ گھنٹے سوتا ہے) اس سے کان کی فضیلت ظاہر ہو سکتی ہے۔ کیونکہ کان سے دن میں ۲۴ گھنٹے علوم سیکھنے کا موقع ہے۔ اور آنکھ سے مشکل سے چار یا پانچ گھنٹے۔ گو اسکے بعد نیند کا وقت کم ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جوان آدمی صرف چھ یا سات گھنٹے سوتا ہے مگر پھر بھی کان کے مقابلہ میں یہ وقت تھوڑا ہے۔ کیونکہ وہ پیدائش کے دن سے مرتے دم تک ایک سیکنڈ کے لئے بھی کام نہیں چھوڑتا۔ اگر کہا جائے۔ کہ بچہ سوتے وقت کیسے سن سکتا ہے۔ تو اس کا جواب میں پہلے دے چکا ہوں۔ کہ کان کا کام صرف یہ ہے کہ ہوا کی لہروں کو دماغ تک پہنچا دے۔ آگے اُس کا سُننا سمجھنا اور محفوظ رکھنا دماغ کا کام ہے۔ سوتے وقت گو بچہ آواز کو سن نہیں سکتا مگر اس کا نقش قلب غیر عامل پر محفوظ رہتا ہے۔ جو مخفی طور پر اسکے آئندہ اخلاق۔ اطوار اور عادات کو ڈھالتا رہتا ہے۔ چنانچہ بچّے کے کان میں اذان اور اقامت کہنے میں بھی یہی حکمت ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھو اخبار فاروق مؤرخہ ۱۳ رمئی ۱۹۲۵ء)

---

(۴) پھر کان کو اس لئے بھی فضیلت ہے کہ صرف یہی ایک کھڑکی ہے جس کے ذریعہ سے پیدا ہونیکے تھوڑی ہی دیر بعد اسلام کی تعلیم کا خلاصہ (اذان) بچّے کے دماغ پر نقش کیا جا سکتا ہے جو ایک بیج کا کام دیتا ہے۔ اور اعلیٰ تربیت سے وہی بیج ایک خوشنما درخت بن سکتا ہے۔ اسکے مقابلہ میں آنکھ کے ذریعہ شریعت کا علم بہت دیر کے بعد جا کر ہوتا ہے۔ یعنی پانچ چھ سال کی عمر میں جب بچّہ پڑھنا سیکھتا ہے۔

---

(۵) کان کے ذریعہ علم سیکھنے کے لئے تعلیم کی ضرورت نہیں۔ مگر آنکھ کے ذریعہ (یعنی پڑھ کر) علم سیکھنے کے لئے تعلیم کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ۹۵ فیصدی ناخواندہ لوگ شریعت کا علم کان کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں۔ اور صرف چند ایک تعلیم یافتہ لوگ دوسری کھڑکی سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ اور وہ بھی

ہوش سنبھال کر یعنی مکتب میں داخل ہوکر۔ پس اس لحاظ سے بھی کان افضل ہے۔

(۶) پھر کان کی اہمیت اور آنکھ پر فضیلت اس سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ قوّت گویائی کا تعلق بلکہ سارا دارو مدار قوّت سامعہ پر ہے۔ بچّہ کے دماغ میں پہلے سمع کا مرکز بنتا ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں گویائی کا مرکز تیار ہوتا ہے۔ پس اگر سمع کا مرکز نہ بنے تو گویائی کا مرکز نہیں قائم ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ پیدائشی بہرے گونگے بھی ہوتے ہیں۔ گویا قوّت سامعہ کے نقص سے ایک اور قوّت بھی زائل ہو جاتی ہے۔ اور انسان نہ علم سیکھ سکتا ہے۔ اور نہ اپنے خیالات کا اظہار زبان سے کر سکتا ہے۔ سوائے اس کے کہ چند اشاروں سے اپنا کام چلالے (واضح ہو کہ جو لوگ ۷ یا ۸ سال کی عمر میں جا کر بہرے ہو جائیں وہ گونگے نہیں ہوتے۔ یہ صرف پیدائشی بہرے کے متعلق ہے) بلکہ ایسی حالت میں علوم کے حصول میں اسکی آنکھ بھی کام نہیں دے سکتی۔ کیونکہ آنکھ کے ذریعہ جو چیز دیکھی جاتی ہے۔ اس کا نام بھی تو کان سے ہی سیکھا جاتا ہے۔ غرضیکہ پیدائشی بہرہ نہ سُن سکتا ہے۔ نہ بول سکتا ہے۔ اور نہ دیکھی ہوئی چیزوں کی ماہیت سمجھ سکتا ہے۔ اور سوائے اسکے کہ وہ دنیاوی مشاغل کو دیکھ کر خوش ہو۔ انکے ذریعہ کوئی علم حاصل نہیں کر سکتا۔

اسکے برخلاف پیدائشی اندھا۔ گو چیز کو دیکھ نہیں سکتا۔ مگر وہ کانوں کے ذریعہ کئی علوم سیکھ سکتا ہے۔ اور اپنے خیالات کا اظہار کر سکتا ہے۔ چنانچہ کئی اندھے۔ قرآن کریم کے حافظ ہیں۔ اور دنیاوی علوم کے ماہر بھی کئی اندھے موجود ہیں۔ مگر پیدائشی بہرہ کبھی کسی نے کسی علم کا ماہر نہ دیکھا ہوگا۔ پھر اندھا آدمی بہت حد تک اپنی قوّت لامسہ سے بھی آنکھوں کا کام لے سکتا ہے۔ چنانچہ وہ چیزوں کو ٹٹول انکی شکل سختی۔ نرمی۔ گرمی وغیرہ محسوس کر لیتا ہے۔ گو رنگوں میں تمیز نہیں کر سکتا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ قوّت لامسہ کو بڑھانے سے یہ قوّت بھی پیدا کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ پچھلے دنوں اخبار میں پڑھا تھا۔ لنکاشائر میں ایک اندھا قالین بنتا ہے۔ اور وہ مختلف رنگوں کے پھول اسپر بنا لیتا ہے۔ گویا وہ بغیر دیکھے رنگوں کو تمیز کر لیتا ہے۔ میرے خیال میں یہ اس طرح پر ممکن ہے۔ کہ اندھوں کی قوّت لامسہ بہت بڑھ جاتی ہے۔ اور قوّت لامسہ کا ایک جزو قوّت حارہ یا گرمی سردی کا احساس بھی ہے۔ اب مثلاً سیاہ اور سرخ رنگ حرارت کو زیادہ جذب کرتے ہیں۔ اس لئے اس رنگ کا کپڑا جلدی گرم ہو جاتا ہے۔ اسکے برخلاف سفید اور ہلکا جامن رنگ حرارت کم جذب کرتے ہیں۔ اس لئے یہ مقابلۃً ٹھنڈے محسوس ہوتے ہیں۔ عوام الناس حرارت کے اس باریک فرق کو چھو کر معلوم نہیں کر سکتے۔ مگر بعض

اندھے جن کی قوت لامسہ یا قوت حارہ بہت تیز ہو جائے۔ وہ چھو کر ان کی گرمی اور سردی کے احساس سے اپنے لمبے تجربہ کی بنا پر معلوم کر سکتے ہیں کہ فلاں رنگ کونسا ہے۔

پیدائشی بہرہ خواہ لاکھ کوشش کرے۔ اپنی آنکھوں سے شنوائی یا گویائی کا کام نہیں لے سکتا۔ اور نہ ہی قوت لامسہ اسکی مدد کر سکتی ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ قوت سامعہ کا ٹھیک ہونا ایک بہت بڑا فضل ہے۔ اور اس قابل ہے کہ اس کا ذکر پہلے ہو۔

---

(۷) سوتے وقت سب سے پہلی حس جو زائل ہوتی ہے۔ وہ بصارت ہے۔ اور سب سے آخری حس جو اپنا کام چھوڑتی ہے وہ سماعت ہے۔ گویا کان زیادہ وقت تک کام کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح ... جاگتے وقت سب سے پہلے احساس قوت سامعہ کا ہوتا ہے۔ اور قوت باصرہ کا سب سے اخیر۔ (یوں تو کان نیند میں بھی کام کرتے رہتے ہیں۔ گو حس پیدا نہیں ہوتی۔ مگر یہاں زائل ہونے سے مراد انکا ظاہری کام یعنی سننا ہے۔ جہاں تک انکا تعلق قلبِ عامل سے ہے)

---

(۸) جس طرح بچپن میں کان آنکھ سے پہلے کام شروع کرتے ہیں۔ اسی طرح بڑھاپے میں کان زیادہ دیر تک ساتھ دیتے ہیں۔ چنانچہ اکثر آدمی بڑھاپے میں ضعف بصارت اور موتیا وغیرہ کی شکایت کرتے ہیں مگر تھوڑے ہیں جن کو ضعف سماعت کا عارضہ ہوتا ہو۔

---

(۹) پھر کان کو اس لئے بھی فضیلت ہے کہ خدا کا کلام یعنی وحی متلو چونکہ الفاظ میں نازل ہوتی ہے اس لئے کان کے ذریعہ ہی اس کا علم ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم ایسی نعمت غیر مترقبہ بھی ہم کو اسی ذریعہ سے ملی۔

---

(۱۰) میں یہ بتا چکا ہوں کہ کان زیادہ وقت کام کر سکتا ہے۔ اور سوتے جاگتے ہر وقت کام میں لگا رہتا ہے۔ کیونکہ اس پر پردہ نہیں۔ اور توجہ کی ضرورت نہیں۔ مگر اسکے علاوہ ایک اور وجہ بھی کان کے زیادہ کارآمد ہونے کی یہ ہے کہ قوت سامعہ کا وسیلہ (ہوا) ہر وقت موجود ہے اور آنکھ باوجود کھلی ہونے کے بھی ہر وقت کام نہیں کر سکتی۔ مثلاً رات کے وقت اگر آنکھ کھلی ہو تو وہ اندھیرے کی وجہ سے علوم نہیں سیکھ سکتی۔ کیونکہ وہ روشنی کی محتاج ہے۔ گو کان بھی سننے

کے لئے ہوا کا محتاج ہے۔ مگر ہوا اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ رکھ دی ہے۔ اور روشنی ہر جگہ نہیں ہوتی۔ پھر ہوا ایک سیکنڈ کے لئے بھی بند نہیں ہوتی۔ مگر روشنی کئی دفعہ نایاب ہوتی ہے۔ مثلاً رات کو اندھیرا ہوتا ہے۔ اور آنکھ بغیر مصنوعی روشنی کے کام نہیں کر سکتی۔ پھر دن کو بھی اگر انسان اندھیرے میں ہو تو آنکھ کی کھڑکی بند رہتی ہے۔ مگر کان کا یہ حال نہیں۔ ہماری ساری عمر میں ایک سیکنڈ بھی ایسا نہیں آتا جب ہمارے کانوں کے کام کرنے میں کوئی طبعی روک واقع ہو۔ کیونکہ کان کا تعلق ہوا سے ہے۔ اور ہوا ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہے۔ ہاں ایک وقت ایسا آسکتا ہے۔ جب کان کام نہ کر سکیں۔ اور وہ اسوقت جب ہوا کمرے میں سے خارج کر دی جائے۔ مگر ایسی حالت تو زندگی کے بھی منافی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ کانوں کے ذریعہ علوم سیکھنا اور جسمانی زندگی لازم ملزوم ہیں۔ یعنی جب تک سانس ہے اسوقت تک کان کام کرتے رہینگے۔ مگر آنکھ کی یہ حالت نہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے جسمانی زندگی کے لئے ہوا کو اوّل نمبر پر رکھا ہے۔ اور اس کے بغیر انسان دو منٹ سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح اس نے روحانی علوم کے لئے کان کو اوّل نمبر پر رکھا۔ اور اس رستہ سے علوم سیکھنے کے لئے روشنی کی بجائے ہوا کو وسیلہ مقرر کیا تا انسان کی جسمانی زندگی کا قیام اور روحانی علوم کا سیکھنا ایک ہی لڑی میں منسلک کر کے جسمانی اور روحانی سلسلہ میں مشابہت ظاہر کر دی جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے کان کے لئے ہوا کو وسیلہ مقرر کر کے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ جس طرح جسمانی زندگی کے قیام کے لئے انسان کو ہوا کی ہر دم اور مرتے وقت تک ضرورت ہے۔ اسی طرح روحانی زندگی کے قیام کے لئے انسان کو روحانی علوم کی ہر وقت اور مرتے دم تک ضرورت ہے۔ پس ہمیں کانوں سے فائدہ اٹھانیکی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور مرتے دم تک روحانی علوم کو سیکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

پس ثابت ہوا کہ کان انسان کے لئے بمقابلہ آنکھ کے زیادہ ضروری عضو ہے اور بہت بڑی نعمت ہے۔ اور ایسی نعمت ہے کہ جسکے بغیر انسان کی پیدائش کی غرض ناقص رہتی ہے۔ اور انسان روحانی علوم کے حصول سے محروم رہتا ہے۔ اس لئے ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا چاہیئے کہ اس نے محض اپنے فضل سے صفت رحمانیت کے ماتحت ہم کو کان اور آنکھ اور دیگر اعضاء دیئے۔ مگر کان کا عطیہ ہمارے خاص شکریہ کا مستحق ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے کمال حکمت کے ساتھ سورہ دہر میں اپنے اس احسان کو بندے پر ظاہر کرتے ہوئے کان ... اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن کریم کے حقائق و معارف سمجھنے اور اس پر عمل کرنیکی توفیق دے۔ آمین۔ والسلام

دُنیا میں ویدوں نے کیا کیا؟

یوں تو چاروں وید ایشور - ارواح - مادہ وغیرہ کی طرح انادی (ازلی - ابدی) ہیں۔ نہ انکا شروع ہے۔ اور نہ انتہاء اور نہ کبھی فنا ہوئے ہیں اور نہ ہونگے۔

"سوال - وید غیر فانی ہیں یا فانی؟ - جواب - غیر فانی - کیونکہ پرمیشور کے غیر فانی ہونیکے باعث اسکے علم وغیرہ صفات بھی غیر فانی ہیں - جو اشیاء غیر فانی ہیں - انکے صفات و فعل و فطرت بھی غیر فانی ہیں۔ اور فانی جوہروں کے فانی ہوتے ہیں" ستیارتھ پرکاش باب دفعہ ۷۹ ایڈیشن چوتھا - مگر پرلے میں ایک لمبی مدت کے لئے جس طرح دنیا کے دُکھوں سے چھوٹ کر ارواح اور مادہ آرام کرتے ہیں اسی طرح چاروں وید بھی آرام کرتے ہیں - اور جب پھر سرشٹی کا چکر[۵۱] آتا ہے تو چاروں وید بدستور سابق چار رشیوں کے آتما پر آحاضر ہوتے ہیں۔

"سوال - کن کے آتما میں اور کب ویدوں کا اظہار کیا گیا؟ - جواب - پہلے پہل یعنی پیدائیش کے شروع میں پرماتما نے اگنی - وایو - آدتیہ - اور انگرا رشیوں کے آتما میں ایک ایک وید کو ظاہر کیا" ستیارتھ پرکاش باب دفعہ ۷۰۔

معلوم ہُوا کہ موجودہ دنیا کا جو سلسلہ چل رہا ہے اسکے ابتداء میں وید بھگوان پرگھٹ (ظاہر) ہوئے تھے۔

اب سوال کا جواب کہ ویدوں کی روشنی کہاں کہاں پھیلی؟ مندرجہ ذیل ہے:-

"تمام ملکوں میں علم ویدوں سے پھیلا" دیکھو سرخی ستیارتھ پرکاش باب دفعہ ۷۴ - پھر اسی سرخی کے نیچے لکھا ہُوا ہے "اگر پرماتما ان ابتدائے پیدائیش کے رشیوں کو وید کا علم نہ پڑھاتا اور نہ وہ دوسروں کو پڑھاتے تو تمام لوگ بے علم ہی رہ جاتے .... جب تک ملک آریہ ورت سے تعلیم نہیں گئی تھی - تب تک مصر - یونان - یورپ وغیرہ ممالک کے باشندوں کو ذرہ بھی علم نہیں ہُوا تھا - اور یورپ[۵۲] کے کولمبس وغیرہ لوگ جب تک امریکہ میں نہیں گئے تھے تب تک وہ بھی ہزاروں بلکہ لاکھوں کروڑوں برسوں سے جاہل یعنی علم سے بے بہرہ تھے" اور امریکہ

۵۱ یعنی جب پھر دنیا کی پیدائیش ہوتی ہے۔

۵۲ اصل کتاب میں لفظ "انگلینڈ" ہے جو سوامی صاحب کی لیاقت کو ظاہر کر رہا ہے۔ اب ترجمہ میں لفظ "یورپ" کر دیا ہے - تاکہ سوامی صاحب کی پردہ دری نہ ہو ÷

میں بھی ویدوں کے ذریعہ ہی علم پہنچا ہے "کُل علوم کا منبع آریہ ورت ہے" اس سرخی کے بعد لکھا ہے:
"جتنا علم روئے زمین پر پھیلا ہے وہ سب آریہ ورت سے ملک مصر۔ وہاں سے یونان وہاں سے روم اور وہاں سے یورپ میں۔ وہاں سے امریکہ وغیرہ ممالک میں پھیلا ہے"۔ ستیارتھ پرکاش باب ۱۱ دفعہ ۷۔ پھر اور دیکھو "زمانہ قدیم میں غیر ممالک میں آریوں کے بیاہ اور ایک ہی وید مت" اس سرخی کے نیچے لکھا ہے "دیکھو کابل۔ قندھار۔ ایران۔ امریکہ۔ یورپ وغیرہ ملکوں کے راجاؤں کی لڑکیوں قندھاری۔ مدری۔ الوپی۔ وغیرہ کے ساتھ آریہ ورت کے ملک کے راجہ لوگ شادی وغیرہ معاملات کرتے تھے۔ شکنی وغیرہ کورو پانڈو کے ساتھ کھاتے پیتے تھے۔ کچھ مخالفت نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ اس زمانہ میں تمام کرۂ زمین پر ایک ہی مذہب وید کا تھا۔ اسی پر سب کا اعتقاد تھا" ستیارتھ پرکاش باب ۱۱ دفعہ ۳۳

مذکورہ بالا حوالوں سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں:۔

(۱) تمام علوم کا منبع وید بھگوان۔ اور آریہ ورت تھا۔ یعنی تمام قسم کا پرانا فلسفہ رطب ویابس خواہ وہ یونان کا ہو یا مصر کا یا ہندوستان کا۔ اور تمام قسم کی صنعت و حرفت خواہ وہ بتوں کا تراشنا ہو یا اور پیشہ وغیرہ وغیرہ۔

(۲) مذکورہ بالا علوم۔ صنعت و حرفت وغیرہ وید بھگوان کی معرفت آریہ ورت سے دوسرے تمام ملکوں میں پہنچے۔ یعنی امریکہ۔ یورپ۔ مصر۔ یونان۔ ایران۔ کابل۔ قندھار وغیرہ ملکوں میں۔

(۳) مذکورہ بالا ملکوں کے راجہ اپنی لڑکیاں آریہ ورت کے راجاؤں سے بیاہتے تھے۔ اور دیگر معاملات بھی کرتے تھے۔

(۴) آریہ ورت کے لوگ غیر ممالک کے باشندوں کے ساتھ مل کر کھاتے پیتے تھے۔

(۵) تمام کرۂ زمین پر وید بھگوان کا مت (دین) تھا۔ اور ویدوں کا بیان کردہ عقیدہ تھا۔

اب سوال یہ ہے ہندوستان کی عناصر اور بت پرستی۔ ۳۳ دیوتاؤں کی۔ بندروں کی۔ سانپوں کی۔ پتھروں کی۔ گائے۔ بیل کی۔ مسانوں۔ انسانوں۔ ستاروں۔ اگنی جل کی۔ بجلی کی۔ درختوں کی۔ وغیرہ وغیرہ کی پرستش کہاں سے آئی؟

ہندوؤں میں رسوم ستی (خودکشی) کی دختر کشی کی۔ بعض تیرتھوں پر انسانی قربانی کی۔ آٹھ قسم کے بیاہوں کی۔ نیوگ کی۔ گائے کی قربانی کی متبنیٰ یعنی قانون قدرت کے خلاف بیٹا

بنانے کی۔ ایک عورت کے پانچ جائز خاوندوں کی۔ جوا کھیلنے کی۔ وغیرہ وغیرہ رسوم کہاں سے آئیں؟ ہندوؤں کے مت متانتر (مختلف مذاہب) وام مارگی۔ چولی مارگی۔ بیج مارگی۔ چار واک۔ بدھ۔ جینی۔ مورتی پوجنے والے۔ خود خدا بننے والے (ویدانتی) ناستک وغیرہ وغیرہ مت کہاں سے آئے؟ مصر کے بادشاہ فرعون کا خدائی کا دعویٰ کرنا۔ اور پھر خدا ہوکر گائے کی پوجا کرنا کہاں سے نکلا؟ ایران کے آتش کدہ۔ اور آتش کی پرستش۔ دو خداؤں کا عقیدہ کہاں سے آیا؟ یورپ۔ امریکہ کی سابقہ توہم پرستی کہاں سے آئی؟ یونان میں تین دیوتاؤں کی پرستش۔ یونانیوں کا فلسفہ۔ آسمان ٹھوس تانبے وغیرہ کا بنا ہوا۔ اور گردش کرنا۔ زمین چپٹی ساکن وغیرہ وغیرہ علوم کہاں سے آئے؟ یونانیوں کا فلسفہ کہ روح انسانی آسمان سے آتی ہے۔ کہاں سے آیا۔

میرے دوستو! ایسے ایسے علوم و فنون اور علم الٰہیات وغیرہ مختلف ممالک میں جو قبل از زمانۂ قرآن پھیلے ہوئے تھے یہ سب کچھ کس تعلیم کے ثمار لذیذہ تھے۔

آریوں سے ہمارا مطالبہ سوائے انبیاءؑ اور ان کی قوموں کے یا شاذ و نادر افراد کسی ملک یا قوم کا نام بتلایا جاوے اور تاریخ سے ثابت کیا جاوے۔ کہ قبل از زمانۂ قرآن وہ ایک خدا کو ماننے والے اور ایک ہی خدا کی پوجا کرنیوالے ہوں۔ اور کسی قسم کا شرک۔ عناصر و مخلوق کی پرستش نہ کرتے ہوں۔ اگر ایسا ثابت کیا گیا۔ تو ہم اعتراضات کو واپس لے لینگے اور مان لینگے کہ ویدوں نے بھی کبھی توحید سکھلائی تھی۔

سوامی دیانند صاحب کی معذرت اور اسکی تردید آپ فرماتے ہیں:۔ "سوال مورتی پوجا بت پرستی کہاں سے شروع ہوئی؟ جواب۔ جینیوں سے" (ستیارتھ پرکاش باب ۱۱ دفعہ ۶۹) "مورتی پوجا کی بنیاد جینیوں سے پھیلی۔ پرمیشور کا ماننا کم ہوا۔ پتھر وغیرہ مورتی پوجا میں مصروف ہوئے۔ ایسی تین سو برس تک آریہ ورت میں جینیوں کی سلطنت رہی۔ بہت لوگ وید کے علم وغیرہ سے ناواقف ہوگئے تھے۔ اس بات کو اندازاً اڑھائی ہزار برس گذرے ہونگے" باب ۱۱ دفعہ ۷۰

پھر یہی مضمون باب ۱۱ دفعہ ۶۸ میں بھی لکھتے ہیں۔ اسپر عرض ہے کہ وام مارگی اور جینی وغیرہ تو ہوئے اڑھائی ہزار برس سے مگر ہندوستان میں بت پرستی تو قدیم سے چلی آتی ہے۔ کیا کوئی آریہ صاحب ویدوں کا حامی معتبر تواریخ سے ثابت کرسکتا ہے کہ فلاں زمانہ میں ہندوستان میں صرف ایک ہی پرمیشور کی پرستش ہوتی تھی۔ عناصر وغیرہ پتھروں کی پرستش نہیں ہوتی تھی؟

ہم تو اسکے برعکس دیکھتے ہیں۔ کہ اس ملک میں بعض ایسے مندر جو بڑے بڑے پتھروں کے بنے ہوئے ہیں اور انکے اوپر بُت بھی تراشے ہوئے ہیں۔ اور وہ تراشیدہ مورتوں والے پتھر دیواروں کی بنیادوں میں لگے ہوئے ہیں۔ اور وہ مندر پانچ پانچ ہزار برس کے ہیں جو اپنی ہیئت میں کھڑے زبان سے گواہی دے رہے ہیں کہ ہندوستان میں قدیم الایام سے مورتی پوجا چلی آتی ہے۔ مثلاً کشمیر ایک ایسا ملک ہے کہ جس کو رشیوں کا گھر کہنا چاہیئے۔ اس علاقہ میں اب بھی کثرت سے رشی ہیں جو مسلمان ہو چکے ہیں لیکن کہلاتے اب بھی رشی ہی ہیں۔ اور ایسے رشیوں کے بعض گاؤں کے گاؤں ہیں۔ بعض گاؤں کا نام بھی رشی نگر ہے۔ اور پھر کشمیر کے پنڈت بھی مشہور ہیں جو اپنے آپکو اصل ویدوں کے ماننے والے سمجھتے ہیں۔ اور اپنے ماسوا ہندوؤں کو ہندو سمجھتے ہی نہیں۔ اس علاقہ میں کئی ایک مندر ہیں جو کئی کئی ہزار برس کے ہیں منجملہ ان مندروں کے ایک مندر مٹن کا ہے جو اسلام آباد کے مشرق میں چار میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ مندر تاریخ سے ثابت ہے۔ کہ پانچہزار برس ہوئے راجہ رام دیو جی نے بنوایا تھا۔ اس مندر کی بنیادیں بڑے بڑے سیاہ پتھروں کی ہیں جن میں بھیروں۔ مہادیو۔ وغیرہ کے بُت تراشے ہوئے ہیں۔ یہ ایک تاریخی اور سامنے کھڑی شہادت ہے۔ جس کو کوئی آریہ پُرش جھٹلا نہیں سکتا۔ اگر سوامی جی مہاراج کی معذرت مانی بھی جاوے۔ تو ویدوں پر اعتراض پھر بھی اسی طرح قائم رہتا ہے کیونکہ ویدوں کے نزول کے بعد خود اُسی قوم میں جن کے رشیوں پر ویدوں کا نزول ہوا تھا۔ اس قدر مشرک۔ ناستک۔ اور خراب فرقے پیدا ہو گئے جو صرف ویدوں کا انکار ہی نہیں کرتے بلکہ گالیاں دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں "وید کے بنانے والے بھانڈ۔ دھوت (ٹھگ) انشاچر یعنی راکشس۔ یہ تین طرح کے آدمی ہیں۔ چربھری۔ ترپھری۔ وغیرہ پنڈتوں کے مکر کی باتیں ہیں" ستیارتھ پرکاش باب ۱۲ دفعہ ۵۔ سُرخی "وید کی مذمت"

کیا کوئی آریہ پُرش ثابت کر سکتا ہے۔ کہ قرآن کریم کے نزول کے بعد قرآن کے ماننے والی قوم میں سے ایسے ایسے فرقے پیدا ہوئے ہوں۔ جن میں اس قسم کے گند بھرے ہوئے ہوں جیسے کہ وید کے مت متانتروں میں ہیں۔ (باقی دارد)

مُسلمانوں کی بد ترین مذہبی حالت

(۱) پنجاب کے بعض اضلاع میں ایسے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ جو اپنے آپکو شافعی کہتے ہیں لیکن اگر آپ ان سے پوچھیں۔ کہ مسلمان ہو تو صاف انکار کر دیتے ہیں۔ کلمہ طیب اور کلمہ شہادت تک سے ناآشنا ہیں ان کو یہ بھی معلوم نہیں۔ کہ امام شافعی رضی اللہ علیہ تھے کون؟

(۲) ضلع ہوشیار پور کی کوہستانی حدود پر بعض گاؤں آباد ہیں۔ جہاں کا ہر ایک آدمی اپنے کو ربّ کہتا ہے اور انکا بڑا ربّ الارباب کہلاتا ہے۔

(۳) گجرات کاٹھیاواڑ میں ایک قوم آباد ہے۔ جو حنبلی کہلاتی ہے۔ تمام رسوم و عوائد اور جملہ اعمال و افعال میں ہندو۔ نام تک ہندوانہ۔ حضرت امام احمد حنبل رضی اللہ عنہ کی ذات والا صفات تک سے بے خبر محض اور جب ایک موقعہ پر انہیں سے ایک شخص ہندوانہ نام بدل کر عبداللہ نام رکھا گیا۔ تو تمام قوم نے اس سے مقاطعہ کر لیا۔ اور اسے برادری سے خارج کر دیا گیا۔

(۴) سی پی اور مہاراشٹر میں اسلام صرف ختم چہلم وغیرہ کی رسوم تک باقی رہ گیا ہے۔ ختم بڑے اہتمام کے ساتھ کیئے جاتے ہیں۔ تمام وہ چیزیں جنکے کھانے اور پینے کا متوفی شائق تھا۔ ختم خوان کے سامنے ایک خوان پر ہی چنی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ شراب کی بوتل افیون کا گولہ اور تازہ کیا ہوا حقّہ بھی سامنے رکھا جاتا ہے۔ اور ایک موقعہ پر تو میرے ایک دوست نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ متوفی کی جوان بیوہ بھی اس موقعہ پر برہنہ ہو کر آگئیں جہاں وہ ختم پڑھ رہے تھے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا۔ کہ اس موقعہ پر چونکہ متوفی کی روح حاضر ہوتی ہے۔ اور مقصود اس تمام سے اس روح کی خوشی اور آرام ہوتا ہے۔ اسلیئے ایسا کیا گیا ہے۔

(۵) پونا اور مہاراشٹر کے دیہات میں اکثر مسلمانوں کے پاس پتھر کی مورتیاں ہوتی ہیں جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی شوق غالب ہوا تو سامنے رکھ کر سجدہ کر لیا۔ اکثر ایسا بھی اتفاق ہوا ہے۔ کہ کسی ہندو نما مسلمان سے اسلام کی علامت پوچھی گئی۔ تو اس نے روئی دھننے کا آلہ یا کوئی اور ایسی ہی عجیب و غریب چیزیں پیش کر دیں۔

(۶) مہاراشٹر میں اکثر مساجد ایسی ہیں۔ جو سال بھر محرم کے دس دنوں ہی میں کھلتی ہیں۔ علم وغیرہ نکالے جاتے ہیں۔ ماتمی نقلیں قائم کیجاتی ہیں۔ جنمیں مرثیہ خوان شراب پیکر شریک ہوتے ہیں۔ اور جب محرم کا عاشورہ ختم ہو جاتا ہے تو یہ مسجدیں بھی سال کے ۳۵۵ دن کے لیئے بند ہو جاتی ہیں۔

دانشمندِ مشرق مغرب میں

نمبر ۲

کچھ عرصہ گذرتا ہے کہ میں نے مکرمی قاضی اکمل صاحب کو ایک پرائیویٹ خط لکھا تھا جس میں اپنے بعض مشاہدات اور حال و قال کی کیفیات کا بھی ذکر آگیا تھا۔ مجھے کبھی وہم بھی نہیں تھا کہ قاضی صاحب اس خط کے بعض پیراگراف ریویو میں دیکر میری لئے تازیانہ نصیحت ہوجائینگے اور دل کو جو تحریر کے جذبات اور امنگوں سے اس سرد ملک میں آکر برف کا ٹکڑا ہوچکا ہو گرما دینگے۔ میں نے جب ان شذرات کو مئی ۱۹۲۶ء کے ریویو میں ایک تمہیدی نوٹ کے ساتھ پڑھا اور اسمیں قاضی صاحب کا یہ فقرہ دیکھا کہ "میں اکیلا اس شاد کامی سے بہرہ اندوز ہونا بخل خیال کرتا ہوں اور اسے پبلک میں دیتا ہوں" تو میں نہیں کہہ سکتا کہ میں ندامت کے کسقدر احساسات سے اپنے قلب کو سرنگوں پاتا تھا۔ میں نے اپنے نفس کو مخاطب کیا کہ اکمل تیرے ایک پرائیویٹ خط کے بعض حصص کا اخفا بخل کہتا ہے اور تو ان کیفیات کو جو دیکھتا ہے کسی امید فردا کے وہم میں پبلک نہیں کرتا تجھ سے بڑھ کر بخیل کوئی ہوگا تب مجھے یاد آیا کہ ایک کتاب میں میں نے پڑھا تھا کہ

"جو علم یا انفرمیشن کوئی سیاح اپنی سیاحت کے دوران میں حاصل کرتا ہے اگر وہ اسے دوسروں پر ظاہر نہ کرے تو اس کی سیاحت محض ایک خودغرضانہ تعیش ہے اور میری رائے میں سیاح کا پبلک فرض ہے کہ اپنی بہترین قابلیت کے موافق ان ممالک اور اقوام کے حالات (جن میں اس نے سفر کیا ہو) پبلک کی نذر کرے"

یہ بات میری ذہن میں ایک دوسرے رنگ میں تھی کہ میں مشرق و مغرب پر ایک مبسوط کتاب شائع کرونگا۔ اور اپنی زندگی کے نشیب و فراز کی کہانی اس سفرنامہ میں بیان کرونگا مگر اب جو میں اپنی چٹھی کے شائع شدہ اقتباسات کو قاضی صاحب کے اس نوٹ کے ساتھ پڑھتا ہوں تو میں اپنے آپکو اپنی جماعت اور قوم اور پبلک کے سامنے اس خودغرضی کا مجرم یقین کرتا ہوں اور دماغی تعیش کے لطف سے دوسروں کو بہرہ مند ہونیکا موقع نہ دینے کا خطاکار یقین کرتا ہوں اس اعتراف اعتذار و ندامت کے ساتھ یہ کہتا ہوا

برو رت آمدہ بندۂ بگریختہ

اپنے ان تمام بھائیوں سے معذرت کرتا ہوں جن کو میں نے اسوقت تک اپنے مشاہدات اور انکے اثرات دماغی سے بے خبر رکھا۔ اور میں نے خداتعالٰی کے فضل و کرم پر بھروسہ کرکے ارادہ کیا ہے کہ میں اس سفر کی انشاءاللہ العزیز کچھ نہ کچھ لکھتا رہونگا۔ ممکن تھا کہ میں اپنا روزنامچہ ریویو کے ذریعہ شائع کر دیتا لیکن اسکے صفحات موجودہ صورت میں (جبکہ وہ خسارہ سے چلایا جارہا ہے) اسکے متحمل نہیں ہوسکتے۔ اسلئے اسے کسی

دوسرے وقت کیلئے چھوڑ کر کچھ نہ کچھ حصہ نذر ناظرین کرتا رہونگا۔ میں اپنے مخدوم اور رفیق قدیم قاضی صاحب کے اس شرمندہ کن نوٹ کے لئے شکرگذار ہوں کہ وہی میرے لئے تحریک کا موجب ہوا ہے۔ (عرفانی از لنڈن)

میں کیا دیکھتا ہوں

مجھ سے اکثر یہاں یہ سوال ہوا ہے کہ "تمہاری انگلستان اور انگریزوں کے متعلق کیا رائے ہے" میں نے ہمیشہ اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ میں یہاں کی سوسائٹی یا حکومت کے طریق عمل اور طرز زندگی کے کسی تاریک پہلو کو دیکھنے کے لئے نہیں آیا ہوں۔ میری آنکھ اس طرف سے بالکل بند ہے میں صرف مغرب کی خوبیاں دیکھنے کیلئے آیا ہوں وہ کیا باتیں ہیں جنہوں نے اس قوم کو جو ایک چھوٹے سے جزیرہ میں آباد ہے دنیا پر حکمرانی کی نعمت کا مستحق بنا دیا ہے۔ پس مجھ سے یہ توقع نہ رکھی جاوے کہ میں ان نظاروں کو دکھاؤنگا جو انسانی کمزوریوں کے کم و بیش ہر ملک ہر قوم بلکہ ہر شخص میں (انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور انکے خلفاء و نوّاب کو مستثنیٰ کرکے) پائے جاتے ہیں۔ میں جس چیز کو دیکھتا ہوں اسکے ان مقاصد اور مقاصد پر نظر کرتا ہوں جسکے لئے وہ یہاں وضع ہوئی ہے۔ پہلی چیز جس کی طرف طبعی طور پر میری توجہ ہوئی وہ یہ تھی کہ

اس ملک میں ہمارے مشن کی کیا حالت اور اسکے کیا توقعات ہیں؟

یہ سوال پہلی مرتبہ میرے ذہن میں نہیں آیا بلکہ میں نے اسوقت سے اس سوال پر غور کیا ہے جبکہ خواجہ کمال الدین صاحب میرے ایک محترم دوست کے روپیہ سے یہاں آئے تھے۔ اور مختلف اوقات میں خواجہ صاحب کے طرز عمل وغیرہ کے متعلق میں انہیں ایام میں لکھ چکا تھا۔ پھر اس سوال کی طرف توجہ اور بھی وسیع ہوئی جبکہ سنہ ۱۹۱۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے عہد خلافت کا آغاز ہوا اور خدا تعالیٰ کی وحی کے ماتحت ہم سب ایک امتحان میں آئے۔ امتحان کا پرچہ ایسا سخت اور مشکل نہ تھا۔ خلافت اولیٰ کے چھ سال کے زمانہ میں ہم نے اس سبق کو خوب پڑھ لیا تھا کہ

یہ سلسلہ جسکو ایک نبی کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے قائم کیا ہے خلافت راشدہ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا

مگر بعض بڑے بڑے لوگوں نے ٹھوکر کھائی اور وہ جو اپنے علوم و عقل پر نازاں تھے اسی طرح نادان ثابت ہوئے جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہد میں حاملان جبہ و عمامہ کی جہالت ظاہر ہوئی۔

اس سے میری مراد یہ ہے کہ انکی فراست صحیحہ کا نور ان سے الگ ہو گیا۔ اور صادق کے انکار کے مجرم ہو گئے۔ اس عہد ابتلاء میں لنڈن کے مشن پر بھی ایک ابتلا آیا۔ مکرمی چوہدری فتح محمد خانصاحب سیال (ناظر دعوۃ و تبلیغ) ان ایام میں خواجہ صاحب کی متعدد درخواستوں پر انکی مدد کے لئے بھیجے گئے تھے مگر بیعت خلافت کے جرم میں خواجہ صاحب نے انکو کہا کہ

وہ انکے ساتھ ایک چھت کے نیچے نہیں رہ سکتے

مگر خدا تعالیٰ جو اپنے سلسلہ کا آپ حافظ و ناصر ہے اس نے جہاں چوہدری صاحب کو ہمت و حوصلہ دیا کہ وہ اس امتحان کے پرچہ کو ایک منٹ کے اندر حل کر دیں وہاں سلسلہ کے مشن کی بنیاد بھی در اصل اسی روز رکھی گئی۔

اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کا پہلا مبلّغ فتح محمد صاحب مقرر ہوا جس کا نام بجائے خود ایک نیک فال تھا۔ اسکے بعد مختلف حالات میں سے یہ مشن گذرا اور سنہ ۱۹۲۴ء کی آخری ششماہی میں حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز لنڈن تشریف لائے اور خاکسار کو بھی یہ سعادت نصیب ہوئی کہ اس مشہور و معروف تاریخی سفر میں حضرت کے ہمراہ رہ سکوں۔ اسوقت لنڈن مشن کی ضروریات اور اسکے توقعات اور نتائج پر غور کرنے کا ایک موقعہ ملا۔ لیکن گذشتہ سال جبکہ میں پھر خدا تعالیٰ کے محض فضل سے یہاں آیا تو مجھے نہایت آزادی اور آسانی کے ساتھ اس مشن کے متعلق غور و فکر کا موقع حاصل ہوا۔ اسلئے میں ان اثرات کو جو میرے دل و دماغ پر ہیں پیش کرتا ہوں تاکہ جماعت کو اپنی ذمہ واریوں کا مزید احساس ہو۔

لنڈن مشن کے متعلق دو قسم کے خیالات

لنڈن مشن کے متعلق مجھے ہندوستان میں بھی اور یہاں بھی شروع شروع میں جب میں یہاں آیا بعض دوستوں سے تبادلہ خیالات کا موقع ملا۔ میں یہ ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہر قسم کے خیالات سراسر نیک نیتی اور اخلاص پر مبنی تھے۔ بعض احباب کا یہ خیال تھا اور ممکن ہے اب بھی ہو کہ ان لوگوں کا یوروپین اقوام کا مسلمان ہونا ناممکن ہے۔ یہ اپنے طریق معاشرت اور بود و ماند زندگی میں ایک ایسی روش اختیار کر چکے ہیں کہ اسلام کو یہ قطعاً قبول نہیں کر سکتے۔ سود۔ شراب خوری۔ نسوانی آزادی۔ قمار بازی۔ تعیش کے متعدد اور متجدد سامان انکو اسلام کی طرف نہیں لا سکتے۔ اور اسوقت تک ہزاروں انگریزوں کا مسلمان نہ ہو جانا یہ دلیل ہے کہ نہیں ہو سکتے پھر لنڈن مشن کیا کریگا؟ یہ ایک زائد اور غیر ضروری خرچ ہے۔

میں نے ان خیالات کو سنکر کہا کہ کچھ شک نہیں بظاہر حالات ایسے ہیں جن سے مایوسی نمایاں ہے مگر ہم نہیں مایوس ہو سکتے نہ صرف اسلئے کہ مایوس ہونا مومن کی شان نہیں نہ صرف اسلئے کہ خود حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز خود یورپ میں آکر یہاں کی تمام کیفیت اور حالت کا مشاہدہ کر چکے ہیں۔ اگر اور کوئی بھی دلیل نہ ہوتی تو ہمارے لئے یہ بس تھا مگر نفس اسلام جسکا احیاء اور بقاء سلسلہ عالیہ کے رنگ میں ہوا ہے وہ خود یہ قوت قدسی رکھتا ہے کہ

وہ اس قسم کے لوگوں میں زیادہ ترقی کرتا ہے

چنانچہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی (عرب) اسکی کیا حالت تھی کیا یہی امراض انتہائی رنگ میں وہاں موجود نہ تھے؟ دنیا کا کونسا گند اور کونسی بدی تھی جو وہاں پائی نہ جاتی ہو۔ انگریزوں کی حالت اس درجہ تک نہیں پہنچی۔ اگر اسلام عرب میں پھیل سکتا ہے اور وہ پھیل کر رہا تو یورپ اسکے لئے بہترین سرزمین ہے؟

پس واقعات اور حالات کا موازنہ کرو۔ اسلام کی قوت قدسی اسقدر زبردست اور قلب ماہیت کر دینے والی اکسیر ہے کہ کوئی قوت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ہمارے سلسلہ کی بنیاد وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپ سے جمالی ظہور کے مظہر اتم ہیں۔ پھر آپ کو ہر گز ماڈیت میں اسلام کے پھیل جانے کے مبشرات خدا تعالیٰ نے دیئے۔ اس حالت میں زمین و آسمان ٹل جائیں مگر خدا کے وعدے نہیں ٹلیں گے اور

مغربی قومیں نیاز مندی کے ساتھ اسلام (احمدیت) کے آستانہ پر جھک جائیں گی

آج یا اسی طرح ناممکن نظر آتا ہے جس طرح مکہ کے مجبور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ابتدائی ایام (جنکی میعاد تیرہ سال تک ہی ہوتی ہی) میں عرب میں اسلام کا پھیل جانا ناممکن مگر اونٹ کا سوئی کے ناکے سے نکل جانا سہل نظر آتا تھا لیکن جس طرح عرب میں اسلام اپنی قدسی اور عملی قوت کے ساتھ پھیل گیا اسی طرح یہاں ہوگا دیکھنے والے دیکھیں گے اور ان ایام کا لطف اٹھائیں گے

دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جن کا یہ خیال ہے کہ یہ لوگ مسلمان بھی جلد ہو جائیں اور پہلے ہی دن بایزید بسطامی اور جنید بغدادی رحمہا اللہ تعالیٰ کی طرح کامل ولی اللہ اور عارف ربانی ہو جائیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ بعض اوقات اس بات پر قانع نظر نہیں آتے جبکہ ایک انگریز نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور وہ صحیح طور پر ارکان نماز سے واقف نہیں ہوتا۔ میں تو اسکا ایک مردہ خدا کی پرستش سے بیزار ہو کر یکتا خدا کے آستانہ پر آکھڑا ہونا بھی ایک قوت اور معرفت کا ذریعہ یقین کرتا ہوں اور میں نے بارہا اس سرور سے اپنے اندر ایک جنت محسوس کی ہے مگر بعض کا یہ خیال ہوتا ہے۔

میں اپنے دوستوں کو کہدینا چاہتا ہوں کہ اس قسم کا خیال اگر کسی دل میں گذرے تو اسے وسوسۂ شیطانی سمجھنا چاہیے خدا تعالیٰ کے فعلی قانون میں ہر امر کی تکمیل تدریجی ہے۔ نادان زمین و آسمان کی پیدائش کے متعلق چھ یوم کی میعاد سن کر اب بھی اعتراض کرتے ہیں مگر باوجود اپنے سامنے تدریجی قانون کی لکھی ہوئی کتاب کو پاکر انہیں شرم نہیں آتی میرا اپنا ایمان یہ ہے کہ اگر توبہ کر کے انہیں سے کوئی اٹھ کھڑا ہوتا ہے تو میں اسکے قلب کی کیفیت اور ذوق کو اپنے سے بہت زیادہ معرفت اور بصیرت سے لبریز پاتا ہوں۔ علاوہ بریں انہیں عملی روح پیدا کر دینا یہ ہماری اپنی ذاتی خوبیوں اور عملی کمالات پر موقوف ہے۔ عرب میں نمایاں تبدیلی اور فوری تبدیلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی کی ان تاثیرات کا نتیجہ تھی جو صحابہؓ میں پیدا ہو چکی تھی۔ اگر ہماری قوت عملی اسقدر زبردست ہو جاوے جیسے ایک مسمرائزر اپنی قوت خیال کا اثر ڈالدیتا ہے تو معرفت اور بصیرت کے بہت سے عملی سبق ہم اپنے بھائیوں کو دنوں میں یاد کرا دیں۔ غرض یہ خیال صحیح نہیں اور اسکے لئے جوابدہ اور ذمہ وار ہم ہیں۔ اور میں یہ بشارت دینا چاہتا ہوں کہ

حضرت خلیفۃ المسیح کے سفر یورپ نے اس روح کو پیدا کر دیا ہے

جبکہ آپ نے اسلام کی تعلیم کے کسی ادنیٰ سے شعبہ کو بھی یورپ کی سوسائٹی کے اعمال یومیہ کے سامنے سرنگوں نہیں ہونے دیا۔ مثلاً عورتوں سے ہاتھ نہ ملانا بظاہر ایک معمولی امر تھا اور پہلے مبلغین اسلام بھی تسامحت سے کام لیتے تھے لیکن جب اسکا اجرا و نفاذ ہو گیا تو اب انگریز عورتوں کے اندر سے یہ روح نکل رہی ہے کہ اگر کوئی مرد ہاتھ نہ ملائے تو وہ منہ پھیر کر اس کو ہتک خیال کریں بلکہ جب وہ اس روح کو دیکھتی ہیں تو انہیں ایک شوق اور جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اس مذہب کی بابت معلوم کریں جو اس قسم کی تعلیم دیتا ہے اور کیوں دیتا ہے اس سلسلہ میں میں بعض اپنے ذاتی مشاہدات کا ذکر کرتا ہوں

اسلام اخلاق کا اعلیٰ معلم ہے

میں ایک روز پارک کے ایک جنگلے کے ساتھ سہارا لگا کر کھڑا تھا ایک بوڑھا مرد

(یہاں کی اصطلاح کے موافق وہ بوڑھا نہ تھا اسکی عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان ہوگی اور قویٰ نہایت عمدہ تھے) نے مع اپنی عورت کے میرے قریب آکر کہا کہ

انگریز۔ کیا میں یہ پوچھنے کی جرأت کرسکتا ہوں کہ آپ کہاں سے آئے ہیں؟

عرفانی۔ مجھے اس سے بڑھکر خوشی نہیں ہوتی کہ کوئی مجھے پوچھے۔ صاحب! میں ہندوستان سے آیا ہوں۔

انگریز۔ میں ہندوستان تو نہیں گیا ہوں لیکن میں نے پڑھا ہے کہ ہندوستان کا فلسفہ بہت اعلیٰ ہے۔

عرفانی۔ جس فلسفہ کی طرف آپ اشارہ کرتے ہیں یہ محض خیالات ہیں جو ہر آدمی پیدا کرسکتا ہے حقیقی فلسفہ خدا سے آتا ہے۔

انگریز۔ مجھے تو آپ بھی مشرقی فلاسفر معلوم ہوتے ہیں۔

عرفانی۔ میں بھی آپکے خیال کے موافق فلسفی ہوں اور مشرق سے آیا ہوں اسلئے مشرقی فلسفی کہ لیجئے مگر میں نے جو فلسفہ سیکھا ہے وہ خیالات کو پاک کرتا ہے اور اسکا اثر عمل پر ہوتا ہے اور یہ فلسفہ میں نے اس شخص سے پڑھا جسکو خدا تعالیٰ نے بھیجا تھا اور اس زمانہ کے لئے اسکو اسی طرح کھڑا کیا جسطرح ناصرت میں دو ہزار برس ہونے کو آئے یسوع مسیح کے نام سے ایک شخص کو پیدا کیا تھا۔

انگریز۔ آپ ہر بات میں مجھے حیران کرتے ہیں۔

عرفانی۔ میں تو حیران کرنے والی بات نہیں کرتا۔ بہت سیدھی سادی بات کہتا ہوں۔

انگریز۔ آپ یہاں کوئی تقریر کرینگے؟

عرفانی۔ نہیں میں دیکھتا ہوں اور سیکھتا ہوں سنتا ہوں اور سوچتا ہوں۔

انگریز۔ ونڈرفل۔ (یا للعجب!) آپ کس مطلب کے لئے آئے ہیں (معاف کیجئے میں یہ سوال کر رہا ہوں)

عرفانی۔ آپ بیشک اس قسم کے سوالات کریں میری سوسائٹی کے آداب اسکی اجازت دیتے ہیں۔ اس سے انسان کا علم بڑھتا ہے۔ میرے آنیکی ایک غرض تو وہی ہے جو ابھی میں نے کہا کہ دیکھتا ہوں اور سیکھتا ہوں۔ سنتا ہوں اور سوچتا ہوں۔

انگریز۔ کیا میں اپنی بیوی کو آپسے انٹروڈیوس کروں؟

عرفانی۔ آپ کی مہربانی۔ مجھے آپ دونو سے ملکر بہت خوشی ہوئی۔

اسپر اس عورت نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

عرفانی۔ میں افسوس کرتا ہوں کہ میں عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتا۔ نہ اسلئے کہ میں عورت کی عزت نہیں کرتا بلکہ میرے نقطۂ خیال سے عزت کا معیار اور طریق دوسرا ہے۔ چنانچہ میں نے کسی قدر جھک کر سلام کردیا۔

انگریز۔ ہاتھ ملانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عرفانی۔ ہر شخص کا نقطۂ خیال جدا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ کسی چیز کا اچھا یا برا ہونا نقطۂ خیال سے ہی ہوتا ہے

بہت ممکن ہے آپکے نقطۂ خیال سے اچھا ہو یا حرج نہو۔ مگر میرے نقطۂ خیال سے یہ خطرناک چیز ہے۔

انگریز۔ مہربانی کر کے اسے کھول کر بیان کریں۔

عرفانی۔ پہلے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں عورت کی ہتک کے خیال سے ایسا نہیں کرتا۔ میرے دل میں عورت کیلئے بڑی عزت ہے اسقدر عزت کہ دوسرا کوئی مذہب وہ درجہ عورت کو نہیں دیتا۔ ہم کو بتایا گیا ہے کہ جنت تمہاری ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ پھر ہم کو کہا گیا ہے کہ تم میں بہتر آدمی وہی ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ نیکی کرتا ہے۔ پھر ہم کو کہا گیا ہے کہ عورت تمہارا لباس ہے۔ اس تعلیم کو مدِ نظر رکھ کر میں عورت کی عزت کے سوائے دوسرا خیال بھی دل میں نہیں لاتا۔ عورت نے دنیا کو بڑے بڑے فلاسفر۔ شاعر۔ آرٹسٹ یا سائنس دان بہادر انسان دیئے۔ یہ مادی نقطۂ خیال سے ہے۔ مذہبی نقطۂ خیال سے تمام خدا کے پیغمبر عورت سے پیدا ہوئے یہانتک کہ وہ انسان جسکو آج غلطی سے خدا کہا جاتا ہے وہ بھی عورت سے پیدا ہوا پس عورت تو ہر طرح عزت کے قابل ہے۔

اب میں آپکے سوال کا بہت مختصر جواب دونگا۔ عیسائیوں یا یوروپی لوگوں نے عورت کو Necessary evil قرار دیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ عورتوں کے حقوق کی طرف چنداں پرواہ نہیں کرتے۔ ظاہرداری بہت ہے (میں آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ میں اپنے ایسے خیالات کو ظاہر کر رہا ہوں جبکہ ایک معزز خاتون بھی میرے سامنے ہے)

انگریز میاں بی بی دونو۔ نہیں نہیں بالکل ٹھیک ہے آپ بیان کریں۔

عرفانی (سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے) مگر اصل روح عزت اور محبت کی مفقود ہے اصل روح ہے عورت کی عصمت کی حفاظت اور اس حفاظت سے تمام اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ اسلام چونکہ عورت کو صحیح درجہ عزت کا دیتا ہے اور وہ اخلاق کی تعلیم ایسے طور پر دیتا ہے کہ پہلے وہ انسان کو ([illegible]) حیوانیت سے نکالکر انسان کے مقام پر کھڑا کرتا ہے یا دوسرے الفاظ میں یہ کہو کہ حیوانیت اور انسانیت میں فرق کرتا ہے پھر انسان کو اس مقام پر وہ ان امور کی تعلیم دیتا ہے جن کا اسکی صحت درستی حواس پر اثر پڑتا ہے اور یہ اسکی ذات تک محدود ہوتے ہیں۔ پھر وہ اسکے آگے لے جاتا ہے اور یہ دوسرا درجہ ہے یہاں وہ سوسائٹی کا ایک ممبر ہوتا ہے اور اسکا تعلق دوسروں سے ہوتا ہے۔ تمام اخلاق سوسائٹی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس درجہ میں اسلام اخلاق کی کامل تعلیم دیتا ہے اور اسمیں وہ ان تمام حقوق کے متعلق قواعد دیتا ہے جو سوسائٹی کے مختلف حصوں سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً میاں بی بی کے متعلق۔ والدین کے تعلقات اولاد سے اولاد کے والدین سے۔ ہمسایوں سے۔ آقا و نوکر کے رشتہ داروں سے۔ بادشاہ کے رعایا سے رعایا و بادشاہ کے۔ غرض ان تمام اخلاق کی تعلیم اسکا مقصد ہے۔ جب انسان اعلیٰ اخلاق حاصل کرتا ہے تو پھر اسکو اپنے اصل مقصد تک پہنچایا جاتا ہے اور وہ باخدا انسان ہوتا ہے۔

اخلاق کے متعلق قانون انسانی میں بھی بعض ہدایتیں ہم کو ملتی ہیں مثلاً تعلقات جنسی کا بعض صورتیں قانون نے

جرم قرار دی ہیں مگر کیا اس سے اس جرم کی اصلاح ہو گئی؟ نہیں۔ اسلام سوسائٹی یا حکومت کے قوانین سے بڑھ کر ایک چیز دیتا ہے وہ صرف قانون ہی نہیں دیتا بلکہ وہ طریق بتاتا ہے جس سے وہ جرم ہو ہی نہ سکے اور یہ کمال تعلیم ہے۔ انہیں تعلقات کے متعلق اسلام نے قدرتی طریقہ پر تعلیم دی ہے مثلاً وہ پہلے یہ حکم دیتا ہے کہ مرد غیر عورتوں کی طرف نہ دیکھا کریں اور عورتیں غیر مردوں کی طرف نہ دیکھیں۔ اسلئے کہ پہلا ذریعہ یہی ہے کہ جب انسان اس حکم کے خلاف کرے تو بدی کی تحریکات ہو سکتی ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے غیر عورتوں کے حسن وغیرہ کے تذکرے نہ سنو اور نہ انکے متعلق کوئی باتیں کرو۔ کانوں کے ذریعہ تحریک ہوتی۔ باتوں سے دل پر ایک اثر ہوتا ہے ان باتوں سے روکدیا۔ ایک دوسرے کے ساتھ چھونے سے جس قسم کے خیالات دماغ میں ہوں انکا اثر ہوتا ہے اور آجکل مسمریزم وغیرہ کے ذریعہ یہ ٹروتھ ثابت ہو چکا ہے۔ پس ہاتھ ملانے سے ایک تحریک اندر ہی اندر بدی کی طرف لیجاتی ہے پس اسلام جو دنیا میں باخدا انسان بنانے کو آیا ہے اس نے ان تمام بدیوں کو روکنے کے لئے یہ تعلیم دی ہے۔ اور نیک عورتوں کو جو اپنی عزت اور درجہ کو سمجھتی ہیں کبھی اپنا ہاتھ غیر آدمی کیلئے نہیں بڑھانا چاہیئے۔ اس آزادی کے نتائج ظاہر ہیں کہ شادی جو نہایت ہی مقدس انسٹیٹیوٹ تھی اسکی عزت دن بدن بگڑتی جا رہی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ میں ہاتھ نہیں ملاتا۔

میاں بی بی۔ (very wonderful) ہم کو آپ سے ملکر بہت خوشی ہوئی ہے۔

عرفانی۔ آپ کی مہربانی ہے میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اسکے بعد وہ چلے گئے۔

غرض اس طرح پر حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی تشریف آوری سے لیکر ان مسائل کو دلچسپی سے سنتے ہیں پہلے جو خیال تھا کہ اس سے نفرت پیدا ہو گی وہ عملاً جاتا رہا۔ ایک دو واقعات نہیں میں متعدد سوسائٹیوں میں گیا ہوں۔ اور سینکڑوں عورتوں سے گفتگو کا موقعہ ملا ہے۔ ہر ایک نے اس تعلیم کو سراہا ہے ایسا ہی لباس کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ انگریزی ٹوپی لازمی ہے میرا ذاتی تجربہ ہے کہ یہ خیال باطل محض ہے ہماری اپنی کمزوری ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے سلسلہ عالیہ احمدیہ کا درخت انگلستان کی سرزمین میں لگ چکا ہے اصلھا ثابت کا ایک حصہ پورا ہو گیا ہے و فرعھا فی السماء و توتی اکلھا کل حین کے نظارے انشاء اللہ بہت جلد نظر آجائینگے۔ اس دن کے قریب کرنیکے لئے ضرورت ہے

اتحاد فی العمل کی

اگر ہم اپنی قوت عمل کو متحد کر کے اس درخت کی آبپاشی کے لئے لگا دیں تو انشاء اللہ بہت جلد وہ وقت آجائیگا۔ پس یورپ کے مشن پر جسقدر خرچ کیا گیا ہے اور جسقدر کیا جا رہا ہے یہ کچھ بھی نہیں۔

ہمارے مبلغین کی قربانی

میں ظلم کرونگا اور ایک حق کو چھپانے کا ارتکاب کرونگا اگر میں یہاں کے مبلغین کی قربانی کا ذکر نہ کروں۔ میں نے انہیں رہ کر دیکھا ہے اور نکتہ چیں نظر سے دیکھا ہے کہ وہ اس عنفوان شباب میں بڑھے

ہو چکے ہیں۔ مالی حالات اور بجٹ کی پابندیاں ان سے وہ کام کراتی ہیں جو میرے خیال میں میدان جنگ میں جانیوالے سپاہیوں کو بہتر سے بہتر راشن ملتا ہے موسمی ضروریات کے لحاظ سے بہترین لباس دیا جاتا ہے۔ میں تمہیں یہاں کے مبلغین کا نقشہ کس طرح سے دکھاؤں انکی خوراک ایسی ہے جو یہاں کے لوگوں کے خیال کے موافق زندہ رہنے کے لئے بھی کافی نہیں اور سچ یہی ہے مگر میں تو اب یہی سمجھتا ہوں کہ مسیحؑ کا یہ کہنا کہ انسان طعام سے نہیں بلکہ کلام سے جیتا ہے ان خدا کے سپاہیوں کے وجود سے پایا جاتا ہے لباس افکار رہی ہے جو کسی وقت بن گیا تھا ان سخت سردیوں اور برفباری کے ایام میں بھی انکو نیا لباس بنانا نصیب نہیں ہوا۔ میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے کہ بارہا مہمانوں کے زیادہ آجانیکی وجہ سے وہ غریب کسی ایک یا دوسرے بہانہ سے دسترخوان سے اٹھ کر بھوکے رہے ہیں۔ اور سلسلہ کی عزت اور ناموس کیلئے انکو بڑی جہاد کرنی پڑتی ہیں ایسی جگہ رہ کر جہاں کھانے پینے یا لباس کیلئے محرکات نہوں سادہ لباس پہن لینا یا سادہ غذا کھا لینا بہت آسان ہے مگر دنیا کی تمام تزئین اور آسائش کے مرکز میں جہاں نمائش زندگی کا پہلا اصل ہے اس سادگی سے انکا زندگی بسر کرنا اور درویشانہ حالتیں کام کرنا چھوٹی بات نہیں ہے میں خود بڑے بڑے اعتراض کرنیوالا ہوں اور اخبار نویسی ایک نکتہ چینی کی روح پیدا کردیتی ہے مگر میں سچ کہتا ہوں کہ

ہر شخص کا کام نہیں ہے کہ وہ اس معیار پر پورا اترے

یہ جہاد اکبر ہے۔ اور مبارک وہ جو اسکے علم بردار ہیں اور سلسلہ کی طرف سے اس علم کو لیکر مادیت اور نفسانیت کے سمندر میں

چٹان کی طرح کھڑے ہیں

اور جماعت کو اسکی ذمہ واریوں کی طرف بلا رہے ہیں یہ زمانہ نشر و اشاعت کا زمانہ ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عصر سعادت کا یہ ایک بڑا نشان ہے اور آپؑ کی بعثت جیسا کہ خود آپؑ نے فرمایا اور بارہا فرمایا کہ

تکمیل تبلیغ ہدایت کے لئے ہے

مگر ہم کو اپنے نفس سے سوال کرنا چاہیئے کہ ہم اسکے لئے کیا کر رہے ہیں۔ یہاں سے نشر و اشاعت کے لئے ریویو کا اجرا ہوا لیکن ابھی تک اس کی کثرت اشاعت کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ اگر ایک ہزار کاپی ریویو کی مفت اشاعت یا رعایتی قیمت پر دینے کیلئے ہمارے احباب انتظام کردیں تو کام میں بہت بڑی قوت پیدا ہو سکتی ہے یہ سب کچھ ہوگا اور ہو کر رہیگا لیکن اگر ہمارے ہاتھ سے نہ ہوا تو کیا ہمارے لئے حسرت کا مقام نہ ہوگا؟

خدا کے فضل و کرم سے ہماری جماعت کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے اور انمیں اہل اثر اور بارسوخ احباب پیدا ہو رہے ہیں کیا وہ اپنے ان دوستوں میں جو غیر احمدی ہیں یا غیر مسلم ہیں اس رسالہ کے ایک ہزار خریدار پیدا نہیں کر سکتے؟ غیروں میں اسکی اشاعت کرو۔ کہ یہ نہ صرف تبلیغ و اشاعت کا ایک ذریعہ ہوگا بلکہ یہاں اس رسالہ کی قوت اسی قدر بڑھ جائیگی۔ یہ چٹھی کسی قدر طویل ہو گئی ہے (باقی پھر سہی)

(مہجور طالب دعا عرفانی)

ولایت کی نئی کاری گری

ایک دن میں تین شکلیں بدلنے والی

کیمیکل گولڈ سنہری لہریدار چوڑیاں

انکو کاریگر نے اس خوبصورتی کے ساتھ بنایا ہے۔ کہ ہاتھ چوم لینے کو جی چاہتا ہے۔ پانچسو روپیہ کی چوڑیاں بنوا کر انکے سامنے رکھدو۔ پھر دیکھو کونسی خوبصورت اور قیمتی معلوم ہوتی ہیں۔ تجربہ کار سا ہوکا بھی یکایک نہیں بتا سکتا۔ کہ یہ سونےکی نہیں۔ جہاں دکھائیے انہیں کوئی دو سو روپیہ سے کم نہیں بتا سکتا۔ کاٹو تپاؤ کسوٹی پر لگاؤ۔ سونے ہی کا کس آویگا۔ ہاتھوں میں پہنا کر پھر انکی بہار دیکھئے۔ گھڑی گھڑی میں ایک نئی طرز معلوم ہوتی ہے۔ دو چار الگ ہوجائیں تو پھول پتی معلوم ہوتی ہیں۔ اور سب مل گئیں تو عمدہ قسم کی بیل معلوم ہوتی ہے اور سب الگ ہو جائیں تو عمدہ لہریہ پڑ جاتا ہے۔ انکو پہنکر عورتیں اگر عورتوں میں کہیں بیٹھیں۔ تو وہ عورتیں جو رات دن سونا چاندی پہنتی ہیں۔ انہیں دیکھ کر دنگ رہ جاوینگی۔ اور کہیں گی کہ ایسی ہمیں بھی منگا دو۔ سب کی نظر انپر پڑیگی تو بات نہیں چمک دمک رنگ ان چوڑیوں کا ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ ملمع وغیرہ نہیں جو اتر جائے۔ قیمت ایک سٹ بارہ چوڑیوں کا دام ۸/ چار سٹ کے خریدار کو ایک سٹ مفت۔ فرمائش کے ساتھ نام پتہ ضروری ہے محصولڈاک علاوہ ؛

ایس۔ اے جعفر اینڈ کو مٹیا محل دہلی

بیکس شیخ قانونگوؤں کو مژدہ

امسال ینگ قانونگو ایسوسی ایشن مسانیاں تحصیل بٹالہ کی تجویز ہے کہ بیکس طلباء جو بوجہ عدم ادائگی فیس حصول تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں انکی فیس کی ادائگی کے خرچ کا ذمہ اٹھائیے۔ فی الحال بباعث کم سرمایہ اور ممبروں کی کمی کے دو طلباء حصہ مڈل اور دو طلباء حصہ ہائی کے ادائگی فیس کی منظوری ہوئی ہے۔ نیز بفضل خدا امید ہے کہ ہمارے ... تحریک کریں گے دوسری سال ڈسٹرکٹ انسپکٹر صاحب ضلع گورداسپور کی خدمت میں ایک طالب علم قانونگو کے وظیفے کی بابت بھی رپورٹ کیجاویگی جو کہ ضلع ہذا کی حدود کے اندر رہتا ہو اور شریف النسل قانونگو ہو۔ لہذا ان وجوہات کے باعث انجمن ہذا کو دیگر انجمنیں صدر ضلع قرار دیں۔ درخواستیں برائے فیس معرفت ممبران انجمن ہذا سیکرٹری کے نام آنی چاہئیں ؛ ایس ایم سراج دین قانونگو سکرٹری ینگ قانونگو ایسوسی ایشن صدر مسانیاں [illegible]

اشتہار دینے والوں کو مژدہ

ریویو آف ریلیجنز اردو کو جماعت احمدیہ میں خاص پوزیشن حاصل ہے اسکے فائل نہایت محفوظ مجلد رکھے جاتے ہیں اسلئے جو لوگ اپنے اشتہارات کو دائمی بنانا چاہتے ہیں وہ جلد تر جگہ کو ریزرو کراکے فائدہ حاصل کریں ؛ (مینیجر اردو ریویو آف ریلیجنز۔ قادیان)

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

(یعنی)

ریویو آف ریلیجنز اردو رسالہ

ایڈیٹر۔ قاضی محمد ظہور الدین۔ اکمل

نمبر (۷) | جولائی ۱۹۲۶ء مطابق ذی الحجہ ۱۳۴۴ء | جلد (۲۵)

فہرست مضامین

مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں منشی عبد الرحمٰن کشمیری قادیانی پرنٹر و پبلشر نے چھاپ کر قادیان سے شائع کیا

وصیتیں ۳ عدد

ع ۲۴۲۹

وصیت میں محمد شاہ نواز خاں ولد چوہدری مولا بخش صاحب۔ قوم بھٹی راجپوت ساکن چونڈہ تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ کا ہوں جو کہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ اپنی جائداد متروکہ کے متعلق حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ (۱) میری اپنی جائداد اسوقت کوئی نہیں۔ اور میرا گذارہ صرف آمد پر ہے۔ جو کہ اسوقت میری تنخواہ مبلغ ایک سو پچاس ۱۵۰ روپیہ ماہوار ہے۔ اسکے علاوہ بھتہ سفر خرچ مبلغ پچاس ۵۰ روپیہ ماہوار یا کم و بیش ہو جاتا ہے۔ میں تا زیست اپنی ماہوار آمد (تنخواہ۔ سفر خرچ۔ پرائیویٹ پریکٹس وغیرہ) کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہونگا۔ (۲) میرے مرنے کے وقت میری جسقدر جائداد ثابت ہو۔ اسکی بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک و قابض صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ فقط والسلام المرقوم ۲۶/۵/۲۳۔ الموصی خاکسار (ڈاکٹر) چوہدری محمد شاہ نواز خاں اسسٹنٹ سرجن پبلک ڈیوٹی جہلم۔ گواہ شد۔ (مستری) اللہ دین ٹھیکیدار چوب جہلم۔ بقلم خود۔ گواہ شد میاں کریم اللہ مدرس احمدیہ سکول عیدگاہ جہلم۔

ع ۲۴۳۰

وصیت میں مریم بانو بیگم زوجہ ڈاکٹر محمد شاہ نواز قوم کھانڈ ساکن شہر سیالکوٹ ضلع سیالکوٹ کی ہوں۔ جو کہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ اپنی جائداد متروکہ کے متعلق حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ (۱) میرے مرنے کے وقت میری جسقدر جائداد ثابت ہو۔ اسکے ۱/۱۰ حصہ کی مالک و قابض صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ (۲) اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں۔ تو ایسی رقم یا ایسی جائداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائیگی۔ (۳) میری موجودہ جائداد مہر ۵۰۰ روپیہ اور زیور ۵۰۰ روپیہ کا ہے۔ فقط المرقوم ۲۶/۵/۲۳ کاتب الحروف محمد شاہ نواز اسسٹنٹ سرجن جہلم۔ العبد۔ مریم بانو بیگم۔ اہلیہ جناب ڈاکٹر چوہدری محمد شاہ نواز خاں صاحب۔ اسسٹنٹ سرجن بقلم خود۔ گواہ شد۔ (۱) محمد شاہ نواز۔ اسسٹنٹ سرجن جہلم۔ خاوند موصیہ۔ گواہ شد۔ (۲) (سید) جیون شاہ احمدی۔ محرر چونگی سیالکوٹ۔

ع ۲۴۳۱

وصیت میں رمضان بی بی زوجہ چوہدری مولا بخش مرحوم قوم سلہریہ راجپوت۔ ساکن موضع ملا۔ ڈاکخانہ جنڈیالہ تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ کی ہوں۔ جو کہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ اپنی جائداد متروکہ کے متعلق حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ (۱) میرے مرنے کے وقت جسقدر میری جائداد ثابت ہو۔ اسکے دسویں حصہ کی مالک و قابض صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی (۲) اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں تو ایسی رقم یا ایسی جائداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائیگی۔ (۳) میری موجودہ جائداد زیور۔ مہر۔ برتن وغیرہ کی قیمت اندازاً ۸۰ روپیہ ہے۔ فقط۔ المرقوم ۲۶/۵/۲۴ کاتب الحروف محمد شاہ نواز اسسٹنٹ سرجن جہلم۔ الموصیہ۔ رمضان بی بی زوجہ جناب چوہدری مولا بخش صاحب بھٹی مرحوم۔ گواہ شد۔ (۱) محمد شاہ نواز خاں اسسٹنٹ سرجن جہلم پسر موصیہ۔ گواہ شد۔ (۲) (سید) جیون شاہ احمدی۔ محرر چونگی۔ سیالکوٹ ؂

تصحیح ریویو آردو ماہ جون کا سب سے پہلا مضمون "مسلمانوں کے احسانات سائنس و ادبیات پر" مولانا محمد احمد صاحب بی اے (آنرز) ایل ایل بی پلیڈر جالندھر کا ترجمہ ہے دوسرا نام غلطی سے چھپ گیا تھا۔

(ایڈیٹر ریویو)
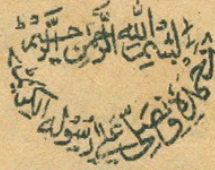
نجات

ماہ اپریل ۱۹۲۶ء قصور میں آریہ سماج نے مذہبی کانفرنس کا انعقاد کیا جس میں ہمیں بھی مسئلہ نجات پر تقریر کرنے کیلئے استدعا کی۔ ہماری طرف سے جناب مولوی اللہ دتا صاحب مولوی فاضل نے اس مضمون پر نہایت مبسوط اور پُر معارف تقریر فرمائی۔ سامعین کی تعداد پانصد کے قریب تھی جنہوں نے نہایت سکون اور توجہ سے مضمون کو سُنا۔ چونکہ پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو عام فہم کرکے بیان کیا تھا اور ساتھ ہی ان بیہودہ اعتراضات کا جو غیر مذاہب والے اسلامی جنّت وغیرہ کے متعلق کیا کرتے ہیں قلع قمع کیا گیا تھا۔ لہٰذا سامعین بہت متاثر ہوئے۔ حتیٰ کہ تقریر کے خاتمہ پر پریزیڈنٹ آریہ سماج کو اعلان کرنا پڑا کہ مقرر صاحب نے جذبات کو اپیل کیا ہے اور امید ہے کہ دوسرے مقرر صاحب (یعنی عیسائیوں کے نمائندہ) جذبات کو اپیل نہ کرینگے۔ اہالیان قصور پر اس بات کا سکہ بیٹھ گیا کہ صرف احمدی جماعت ہی ہے جو غیر مذاہب کے مقابلہ کرنیکی طاقت رکھتی ہے ۔ (محمد جان سکرٹری دعوۃ و تبلیغ فیروزپور)

بھائیو! تاریخ کا مطالعہ کرنیوالے جانتے ہیں۔ کہ انسان ابتداء آفرینش سے ہی ایک محبوب ازلی کی جستجو میں سرگردان پھرتا رہا۔ وہ اگر کبھی صحراؤں اور جنگلوں میں اس کی تلاش میں سرگردان نظر آتا ہے تو دوسرے وقت دریاؤں اور آبشاروں کے کناروں پر اسکے لئے دیوانہ وار پھرتا دکھائی دیتا ہے۔ دنیا کی لذات، راحتوں اور آراموں کو ترک کرکے اور ان سے منہ پھیر کر وہ "یگانہ خدا" کے پانے کے لئے ہر مصیبت کو اُٹھاتا رہا اسے دشت و بیابان کی وحشت اور کالی راتوں کی تاریکی اس مقصد سے روک نہ سکی۔ وہ اپنا تن من دھن قربان کرکے اپنے محبوب کی رضا کا طالب اور اس کی گفتار کا مشتاق بنا۔ اور اپنی اس جدوجہد کو نہ ختم کیا جب تک کہ اپنے کام میں کامیاب اور اپنے مولیٰ کو خوش کرکے اس کے وصال سے بہرہ اندوز نہ ہوگیا۔

عزیزو! وہ کونسی چیز تھی جو انہیں دنیا دی عیش و عشرت پر لات مارنے پر مجبور کرتی تھی۔ اور

خویش و اقارب کی جدائی، اپنوں اور بیگانوں کی عداوت بخوشی برداشت کرنے کے لئے مستعد بناتی تھی۔ وہ صرف اور صرف "عشق الٰہی" اور محبت باری کا پاک جذبہ تھا۔ جو انسان کی سرشت میں رکھا گیا ہے۔ وہ ستائے گئے۔ اپنے وطنوں سے نکالے گئے۔ ہر قسم کی تکلیف و اذیت انکو پہنچائی گئی مگر وہ اپنی وارفتگی شوق میں ان دکھوں کی کچھ بھی حقیقت نہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب و کامران تھے۔ اور اپنے مولیٰ کی حفاظت اور نگہداشت میں تھے۔

غرض اللہ تعالیٰ کی محبت کا ولولہ فطرتی جذبہ ہے جس کی انتہائی کڑی یہ ہے کہ خالق و مخلوق، عابد و معبود اور مالک و مملوک میں یگانگت اتحاد اور رشتہ وحدت ایسا مضبوط ہو جاوے کہ نہ تلوار اسکو کاٹ سکے نہ آگ جلا سکے اور نہ کوئی اور چیز اس میں رخنہ انداز ہو سکے۔ عابد کو بجز معبود کے کسی جگہ چین حاصل نہ ہو جس طرح سچے عاشقوں کو بجز معشوق کے وصال کے کوئی چیز بھلی معلوم نہیں ہوتی۔ جب انسان پر یہ حالت طاری ہو جاتی ہے تو طبعاً دوسری طرف بھی محبت جوش مارتی ہے کیونکہ Love creats love اور وہ معشوق ازلی اپنے پیارے مگر ضعیف بندہ کی دستگیری کے لئے ہاتھ بڑھاتا اور اسکو اپنی گود میں لے لیتا ہے تب انسان ہر شر سے محفوظ اور ہر شیطانی تحریک سے مصئون ہو جاتا ہے۔ گناہ اس کے لئے مہلک زہر سے زیادہ مضر اور بدی کا ارتکاب موت سے بدتر دکھائی دیتا ہے۔ اسکے نفسانی جذبات پر ایک موت طاری ہوتی ہے۔ اور وہ ہوا و ہوس اور حرص و آز سے کلّی آزاد ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے پیارے خدا کے لئے موت قبول کرتا ہے مگر وہ محبوب غیور ہے۔ وہ اپنی راہ میں مرنے والوں کو زندہ کرتا ہے۔ اور جاودانی حیات طیبہ کا وارث بناتا ہے۔ یہی زندگی ہے جسے اسلام میں دوسرے لفظوں میں نجات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ؎

زیر ایں موت است پنہاں صد حیات ٭ زندگی خواہی بخور جام ممات

نجات کے لفظی معنی "خلاص شدن" کے ہیں۔ اور مذہبی اصطلاح میں نجات اس حالت کا نام ہے۔ جس میں انسان گناہوں سے بچ جاتا ہے۔ اور بدی سے مخلصی حاصل کر لیتا ہے۔ مگر اسلام کہتا ہے۔ کہ محض بدی اور گناہ سے بچ جانا انسان کو کسی انعام کا وارث نہیں کر دیتا۔ اور یہ کوئی کمال نہیں۔ کمال اور خوبی کی بات یہ ہے۔ کہ انسان نیکیوں کو بھی حاصل کرے۔ اور جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی منہیات سے رکتا ہے۔ اسی طرح وہ اسکے اوامر پر عمل کرنے والا بھی ہو۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اور مذہبی نقطۂ نگاہ کو بلند کرنے کے لئے قرآن کریم نے متعدد مقامات پر بجائے لفظ نجات

کے لفظ فلاح کو بیان فرمایا ہے۔

اسلام کے نزدیک انسانی پیدائش کا مقصد

اسلامی نجات یا فلاح کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے اس بات کا جاننا ضروری ہے۔ کہ اسلام نے انسان کی پیدائش کی کیا غرض بیان فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وما خلقت الجنّ والانس الّا لیعبدون - کہ مَیں نے تمام چھوٹے اور بڑے انسانوں کو محض اس غرض سے پیدا کیا ہے۔ کہ وہ میرے "کامل عبد" بن جاویں - وہ میرے ہو جائیں اور مَیں اُنکا ہو جاؤں - وہ ترقی کرکے میرے انعامات، رضا، خوشنودی کے وارث ہوں - اس غرض پیدائش کے ماتحت ہی فرماتا ہے۔ ومن النّاس من یشری لفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رءُوف بالعباد (بقرہ ع۲۵) یبتغون فضلاً من ربّھم ورضوانا (مائدہ ع۱)۔ کہ مومن اپنے تمام اعمال وافعال اور حرکات وسکنات میں محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب ہوتے ہیں - ان کو صرف اپنے محبوب کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے۔ پھر فرماتا ہے افمن اتّبع رضوان اللہ کمن باء بسخطٍ من اللہ ومأواہ جھنم وبئس المصیر (آل عمران ع۱۷) کہ مومن و کافر کیونکر مساوی ہو سکتے ہیں وہ اسکی رضاجوئی میں کوشاں اور یہ اس کی ناراضگی کے مورد ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہو گیا۔ کہ اسلام نے انسان کی پیدائش کی غرض اور مومنوں کی جدّوجہد کا مقصد صرف ایک ہی بتلایا ہے۔ یعنی اپنے محبوب کو راضی کرکے اسکے وصال سے آنند اور سرور حاصل کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ مومن انسان جب مراتب ترقی وسلوک طے کر لیتا ہے تب اسکے کان اللہ تعالیٰ کی اس شیریں آواز کو سُنتے ہیں :- "یاایّتھا النفس المطمئنة ارجعی الیٰ ربّک راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنّتی" کہ اے میرے پیارے اور تسلّی یافتہ بندے تُو خدا سے راضی اور وہ تجھ سے راضی تُو اب میرے کامل عاشقوں میں داخل ہو گیا اور جنّت کا وارث بن گیا۔ اب مطمئن رہ کہ شیطان تجھ پر حملہ آور نہ ہو گا۔ اور تیرے لئے کوئی لغزش باقی نہیں۔ پس قرآن پاک کے نزدیک مومن کی ابتداء وانتہاء اور انسان کی پیدائش کی غرض صرف اور صرف یہی ہے۔ کہ وہ خدا میں ہو کر غیر محدود ترقیات کا وارث بن جاوے۔

اسلامی نجات اسی دنیا میں حاصل ہوتی ہے

اسلام نے جس نجات کو پیش کیا ہے۔ وہ اور خصوصیتوں کے علاوہ یہ نمایاں امتیاز رکھتی ہے۔ کہ وہ اسی جہان میں حاصل ہو جاتی ہے۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ نجات کسی اور جگہ

حاصل ہو گی بلکہ فرماتا ہے۔ من کان فی ھذہٖ اعمیٰ فھو فی الاٰخرۃ اعمیٰ واضل سبیلا۔ کہ جس شخص نے اس دنیا میں خدا کی معرفت کی بینائی حاصل نہ کی اور وہ اسکی لقاء سے محروم رہا۔ وہ اگلے جہان میں بھی ایسا ہی ہوگا۔ کیونکہ درحقیقت خدا کو دیکھنے والی آنکھیں اسی جگہ حاصل کی جاتی ہیں۔

پس اسلامی نجات اسی دنیا سے شروع ہو جاتی ہے۔ اور نجات یافتہ انسان اسی جگہ جنّت میں داخل کیا جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولمن خاف مقام ربّہ جنتان۔ کہ اللہ تعالیٰ کے حضور خشوع و خضوع کرنے اور اسکی خشیت سے لرزاں اور اسکے متلاشیوں کے لئے دو جنتیں ہوتی ہیں۔ ایک اسی جگہ اور ایک اگلے جہان میں۔ دوسری جگہ فرمایا للذین احسنوا فی ھذہ الدنیا حسنۃ ولدار الاٰخرۃ خیر ولنعم دار المتقین۔ کہ نیکوکاروں کے لئے اسی جگہ جنّت ہو جاتی ہے اور اگلی زندگی تو اس سے بھی بہتر ہو گی۔ چونکہ اسلام میں نہیں بلکہ ہر مذہب میں حیات بعد الموت کا عقیدہ موجود ہے۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہیں۔ کہ اسلامی نجات باعتبار دو زندگیوں کے دو قسم پر منقسم ہے۔ (۱) نجات دنیوی (۲) نجات اخروی۔

نجاتِ دنیوی کی اقسام

نجات دنیوی سے وہ درجۂ قرب الٰہی اور فلاح مراد ہے۔ جو انسان کو اسی زندگی میں حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ نجات پھر دو قسم کی ہے۔ (۱) نجات ظاہری۔ (۲) نجات باطنی۔

نجات ظاہری سے یہ مراد ہے۔ کہ انسان اپنے تمام ارادوں، خیالات سے دستکش ہو جاوے۔ تمام اعمال، افعال اور کردار کو اللہ تعالیٰ کے حکم، ارادہ اور امر کے ماتحت کر دے۔ غفلت، سستی، بدی، بدکاری سے بکلی مجتنب رہے۔ غرض ظاہری اعمال۔ اخلاق۔ عادات اور اطوار میں پاکیزگی پیدا کرنا نجات ظاہری کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

نجات باطنی سے یہ مراد ہے۔ کہ انسان کو کامل طہارت قلبی حاصل ہو جاوے۔ بد ارادے اور بد خیالات اس سے ایسے ہی دور ہوں جیسے نور سے تاریکی۔ اسکے اعمال ہر قسم کی ریاء اور ظاہر داری کی ملونی سے پورے طور پر مبرّا ہوں۔ ہر فعل خدا کے لئے کرے۔ گویا اس کا دل انوار الٰہیہ کا مہبط اور فیضان روحانی کا مورد بن جاوے۔ وہ بدی اور بدخواہش سے بیزار ہو کر ترک کرے اور نیکی کو پوری رغبت سے کرے۔ ماسوای اللہ سے کٹ کر اپنے محبوب سے ہی دلبستگی پیدا کرلے۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ارشاد فرمایا ہے:۔ (۱) وذروا ظاھر الاثم وباطنہٗ۔ (۲) قل

انما حرم ربی الفواحش ما ظهر منها وما بطن والاثم والبغی بغیر الحق (۳)
بلیٰ من اسلم وجهه لله وهو محسن فله اجره عند ربه ولا خوف علیهم ولا هم
یحزنون (بقرہ ع ۱۳) (۴) لکن یناله التقویٰ منکم (۵) من عمل صالحاً من ذکر او انثیٰ
وهو مومن فلنحیینه حیاةً طیبة (النحل ع ۱۳) ظاہری بدیوں کو بھی ترک کرو اور باطنی گناہوں
سے بھی مجتنب رہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہر بدی کو خواہ وہ ظاہری اعمال میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت
کرتا ہے اور اس کے دل میں بھی اخلاص و محبت الٰہی ہے وہ نجات پا گیا۔ ظاہری اعمال بھی کرو
مگر بدون تقویٰ ہر عمل بیکار محض ہے خدا تک اخلاص ہی پہنچتا ہے۔ جو نیک کام کرے (مرد ہو یا
عورت) اور اس کو محض اللہ تعالیٰ کی رضاء الٰہی مطلوب ہو۔ نمود و نمائش کی خواہش نہ ہو۔
تو اس کو پاکیزہ اور مطہر زندگی دی جاتی ہے جسکو دوسرے لفظوں میں نجات کہتے ہیں۔

پس اسلام یا قرآن مجید دنیا میں نجات کی بشارت دیتا ہے۔ اور انسان کو پاک اور مطہر
بنا کر واصل باللہ کرتا ہے جس سے تمام کدورتیں دور ہو کر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کا
عشق ہی باقی رہ جاوے اور حقیقتاً نجات کی یہ تمام تر فلاسفی لفظ "اسلام" میں ہی بیان
کر دی گئی کیونکہ سے اسلام چیز کیا ہے خدا کے لئے فنا۔ ترک رضائے خویش پے مرضی خدا۔

حصول نجات کے ذرائع

اللہ تعالیٰ نے جب فلاح کی بشارت دی ہے۔ تو اسکے حصول کے لئے
ذرائع کا بتانا بھی ضروری تھا۔ تاکہ جویاں حق اور طالبان روحانیت
ان کے ذریعہ اپنے محبوب کو پالیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں بہت سے طریق بیان
فرمائے ہیں۔ جن میں سے میں وقت کے لحاظ سے اس جگہ پانچ طریق بتاتا ہوں۔

پہلا طریق

علم النفس کے جاننے والے جانتے ہیں کہ محبت اور پیار کے لئے تجانس اور
توافق ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گندے خیالات والے لوگوں کو انہی جیسے لوگ ہی پسند
آتے ہیں۔ پس جب ہم اللہ تعالیٰ کے پیارے بننا چاہتے ہیں اور نجات کے طالب ہیں۔ تو ہمارا
پہلا فرض یہ ہے۔ کہ ہم نفسانی شہوات کے تابع نہ ہوں۔ کیونکہ روحانیت اور ہواء نفس دو
متضاد تحریکیں ہیں۔ خدا کی طرف آنے کے لئے نفس پر موت وارد کرنی پڑیگی۔ اور اسکی خواہشات
کو دبانا پڑیگا۔ اور جب تک ایسا نہ کیا جائیگا۔ تب تک خدا تعالیٰ کا وصال محض ایک وہم ہے۔ ایک
وقت میں ایک خادم دو نوکروں کی خدمت نہیں کر سکتا۔ جو نفس کا بندہ اور عیش و عشرت میں
مشغول اور دنیا پر فریفتہ ہے وہ کب اس محبوب کو پا سکتا ہے جس کی صرف مرنے والوں پر نگاہ

ہر ظاہری اعضاء سے تعلق رکھتی ہو۔ یا باطنی قویٰ سے وابستہ ہو۔ حرام کر دیا ہے۔ ہاں جو نیک

ہے۔ اسی لئے حضرت مسیح علیہ السّلام فرماتے ہیں:۔

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولتمند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے۔ کہ دولتمند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو۔" متی ۱۹/۲۳-۲۴

پس پہلا ذریعہ نجات کا یہ ہے۔ کہ انسان اپنے اوپر ایک موت وارد کرے اور نفس کو ہر بُری خواہش سے روکے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ (۱) وان منکم الا واردھا کان علیٰ ربّك حتماً مقضیا۔ (۲) اما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماْوی۔ کہ تم میں سے ہر ایک کو دوزخ میں وارد ہونا ہے۔ اور اپنے لئے موت کا اٹھانا ہے۔ اگر خود ہی نفس کو مار لوگے تو حیات جاودانی پاؤ گے۔ جو شخص نفس کو اتباع ہوٰی سے روکے گا اس کا ٹھکانہ جنّت ہے۔

دوسرا ذریعہ دوسرا ذریعہ نجات کا یہ ہے۔ کہ انسان علاوہ بُرائیوں سے بچنے کے اپنے اندر پاکیزگی اور طہارت پیدا کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود پاک ہے۔ اور وہ پاک لوگوں کو ہی پسند کرتا ہے اور ان کے دلوں کو ہی اپنے انوار کا جلوہ گاہ بناتا ہے۔ اسی لئے حضرت مرزا صاحب علیہ الصّلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔ ؎

پاک ہو جاؤ کہ وہ شاہِ جہاں بھی پاک ہے ✧ جو کہ ہو ناپاک دل۔ اس سے نہیں کرتا وہ پیار

گناہ ایک زنگ ہے اس سے بچنا اچھی بات ہے مگر نیکی کرنا اس سے بھی افضل ہے اور حقیقتاً نجات کے لئے یہ پہلا قدم ہے۔ گناہوں سے بچنے والا گویا اپنے محبوب کے دشمنوں سے علیٰحدہ رہتا ہے۔ لیکن جب تک وہ اپنے پیارے کی طرف قدم نہ بڑھاوے۔ شعلۂ محبّت مشتعل نہیں ہو سکتا۔ اور بغیر اسکے کامل جوش اور اخلاص بھی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے نجات کا دوسرا ذریعہ اخلاق فاضلہ کا حصول اور اعمال صالحہ کی بجا آوری ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ قد افلح من تزکّٰی وذکر اسم ربہ فصلّٰی۔ کہ فلاح اسی کو ملتی ہے جو پاکیزگی، تقوٰی اور طہارت کو حاصل کرے۔ اور خدا تعالیٰ کے لئے نیک اعمال بجالائے۔

تیسرا ذریعہ آیات قرآنیہ اس بات میں قطعیۃ الدلالۃ ہیں۔ کہ نجات کی بنیاد محبّت پر ہے۔ انسانی محبّت اور الٰہی محبّت کے ملنے سے جو کیفیّت پیدا ہوتی ہے وہی نجات ہے اور وہی مقصودِ محبّانِ الٰہی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے:۔ یا ایھا الناس اعبدوا

ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون - اے میرے پیارے بندو! میں تمہارے لئے باپ اور ماں کی محبت سے بدرجہا زیادہ محبت رکھتا ہوں - کیونکہ میں تمہارا ربّ ہوں - اور میرے احسانات تم پر بے شمار ہیں - اس لئے تم بھی مجھ سے کامل محبت رکھو - اور میرے حقیقی عبد بنجاؤ -

اور پھر فرماتا ہے :- والذین اٰمنوا اشدّ حبًّا للہ کہ مومنوں کے تمام کاموں کی بنیاد اور ان کے عشق کا مدار محبت الٰہی پر ہوتا ہے -

یہ ایک کھلی حقیقت ہے - کہ اللہ تعالیٰ کی طرف آنے میں انسان کو جو مشکلات درپیش ہوتی ہیں - اور جن مصائب کا اسکو سامنا کرنا پڑتا ہے - وہ اس قدر زیادہ اور بڑی ہیں - کہ بجز کامل محبت اور کامل عشق کے ان کو طے کرنیکا کوئی اور ذریعہ نہیں - کامل وفاداری اور پاکیزگی بغیر عشق کے کبھی ممکن نہیں - سچ ہے ؎

کون ہے جس کے عمل ہوں پاک بے انوار عشق ❊ کون کرتا ہے وفا بن اسکے جس کا دل فگار
کون چھوڑے خواب شیریں کون چھوڑے اکل و شرب ❊ کون لے خارِ مغیلاں چھوڑ کر پھولوں کے ہار
عشق ہے جس سے ہوں طے یہ سارے جنگل پُر خطر ❊ عشق ہے جو سر جھکا دے زیرِ تیغ آبدار

پس نجات کا تیسرا ذریعہ اللہ تعالیٰ کی کامل محبت اور کامل عشق ہے اور چونکہ یہ بات اسکے حسن و احسان کے مطالعہ سے پیدا ہوتی ہے - لہٰذا اللہ تعالیٰ کا صحیح تصور جو قرآن مجید نے بیان فرمایا ہے اس کا ماننا ضروری ہے یہی وجہ ہے - کہ ہزارہا نفوس اس راہ پر چلکر منزل مقصود تک پہنچ چکے ہیں - مگر ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست ❊ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

چوتھا ذریعہ کیا یہ ممکن ہے - کہ ہم ایک شخص کے بچے کو اسکے سامنے قتل کریں - اور اس سے کامل محبت کی توقع رکھیں - کیا ایسا ہو سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں - اسی طرح یہ محال ہے - کہ ہم بنی نوع انسان کے حقوق کو تلف کر کے اللہ تعالیٰ کو خوش کر سکیں - بلکہ اس کی خوشنودی کے حصول کا یہ ذریعہ ہوگا - کہ انسان کی ہمدردی اور محبت ہم میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہو - اور جس طرح ہم حقوق اللہ کو ادا کرتے ہیں ویسے ہی حقوق العباد کے ادا کرنیوالے بھی ہوں - تب خدا تعالیٰ ہم سے خوش ہوگا - کیونکہ ہم اسکے بندوں سے اسکی خاطر نیکی کرتے ہیں - اسلئے اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے :- ومن احسن دینًا ممن اسلم وجہہ للہ وھو محسن واتبع ملۃ ابراھیم حنیفا واتخذ اللہ ابراھیم خلیلاً ع ۱۱۶

کہ بہترین راہ نجات یہ ہے - کہ انسان اپنی تمام تر توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف پھیرے اور دوسری طرف بندوں سے احسان کرے یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرے - اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی راہ پر قدم مارنے والا ہو - تاکہ خدا تعالیٰ اسکو ابراہیمؑ کی مانند اپنا محبوب بنالے ❊ پس چوتھا ذریعہ نجات یہ ہے -